ماہنامہ

نقیبِ ختمِ نبوت

ملتان

1 جنوری ۲۰۱۵ء — ربیع الاوّل ۱۴۳۶ھ

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

صلی اللہ علیہ وسلم

- سانحۂ پشاور کے مضمرات، نتائج اور حکومتی فیصلے
- سانحۂ پشاور، علماء اور دینی مدارس
- مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور شعبِ بنی ہاشم
- سیدنا الحکم رضی اللہ عنہ کی جلاوطنی کا قصہ
- امیر المؤمنین سیدنا حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ
- عورتوں کے حقوق سیرتِ نبوی کی روشنی میں

تحفظ عقیدہ ختم نبوت اور فتنہ قادیانیت سے آگاہی حاصل کرنے کیلئے

سکول و کالجز و دینی مدارس کے طلباء و طالبات نیز تمام حضرات و خواتین کیلئے

فہم ختم نبوۃ

خط کتابت کورس

سکھر PRESS 0306-5258871

گھر بیٹھے لٹریچر حاصل کریں۔ نام، ولدیت، موبائل نمبر، ایڈریس ان نمبروں پر سینڈ کر دیں۔
کورس کے اختتام پہ خوبصورت سند حاصل کریں۔

0300-4716780, 0300-5780390

تحریکات تحفظ ختم نبوت کی سرگرمیوں اور فتنہ قادیانیت کی تازہ سازشوں سے آگاہی حاصل کرنے کیلئے

ماہنامہ **احرار نیوز** لاہور

بیاد امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

سرپرست پیر جی سید عطاء المہیمن شاہ بخاری

مرتب ڈاکٹر عمر فاروق احرار

قادیانیت کے خلاف معلومات اور لٹریچر کے حصول کیلئے رابطہ کریں

لٹریچر کی اشاعت میں معاونت فرما کر روزِ قیامت شافع محشر ﷺ کی شفاعت کے مستحق بنیں۔

رابطہ: **تنویر الحسن احرار** مرکز ختم نبوت جامع مسجد ابوبکر صدیقؓ تلہ گنگ

تحریک تحفظ ختم نبوت (شعبہ تبلیغ) مجلس احرار اسلام پاکستان

ماہنامہ

نقیبِ ختمِ نبوت

ملتان

بنیاد: سید الاحرار حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

بانی: ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

جلد 26 شمارہ 1 ربیع الاول 1436ھ — جنوری 2015ء

Regd.M.NO.32, I.S.S.N.1811-5411

تشکیل

دل کی بات:	سانحۂ پشاور کے مضمرات، نتائج اور حکومتی فیصلے	مدیر	2
شذرات:	ڈاکٹر خالد سومرو کا قتل اور کیپٹن (ر) صفدر کی قومی اسمبلی میں تقریر احرار نیوز کا اجرا	عبداللطیف خالد چیمہ	4
افکار:	سانحۂ پشاور، علماء اور دینی مدارس	محمد فاروق قریشی	7
ادبیات:	ہمارے سید و مولا محمد صلی اللہ علیہ وسلم	امام شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ علیہ منظوم ترجمہ: حکیم سرو سہارن پوری	10
دین و دانش:	مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور شعب بنی ہاشم	پروفیسر محمد حمزہ نعیم	11
//	شہید ختم نبوت سیدنا حبیب بن زید رضی اللہ عنہما	ارشاد الرحمن	16
//	سیدنا الحکم رضی اللہ عنہ کی جلاوطنی کا قصہ	پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی	20
//	سیدنا حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ	ابو مروان معاویہ واجد علی ہاشمی	29
//	عورتوں کے حقوق سیرت نبوی کی روشنی میں	نغمہ پروین	37
آپ بیتی:	"ورق ورق زندگی" قسط: ۴۳	پروفیسر خالد شبیر احمد	46
یادِ رفتگان:	جناب بشیر احمد مرحوم...... چند یادیں، چند باتیں	شکیل عثمانی	52
حسنِ انتقاد:	تبصرۂ کتب	مفتی نجم الحق	58
اخبار الاحرار:	مجلس احرار اسلام پاکستان کی سرگرمیاں	ادارہ	60
ترحیم:	مسافرانِ آخرت	ادارہ	64

فیضانِ نظر

حضرت مولانا خواجہ خان محمد رحمۃ اللہ علیہ

زیرِ سرپرستی

ابن امیر شریعت حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم

مدیرِ مسؤل

سید محمد کفیل بخاری

kafeel.bukhari@gmail.com

رفقائے فکر

عبداللطیف خالد چیمہ • پروفیسر خالد شبیر احمد

مولانا محمد مغیرہ • محمد عمر فاروق

قاری محمد یوسف احرار • میاں محمد اویس

سید صبیح الحسن ہمدانی

sabeeh.hamdani@gmail.com

سید عطاء المنان بخاری

atabukhari@gmail.com

تزئین

محمد نعمان سنجرانی

nomansanjrani@gmail.com

سرکولیشن منیجر

محمد یوسف شاد 0300-7345095

زرِ تعاون سالانہ

اندرونِ ملک ———— /200 روپے

بیرونِ ملک ———— /4000 روپے

فی شمارہ ———— /20 روپے

ترسیلِ زر بنام: ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوت۔

بذریعہ آن لائن اکاؤنٹ نمبر: 1-5278-100

بینک کوڈ 0278 یو بی ایل، ایم ڈی اے چوک ملتان

رابطہ

دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

☎061-4511961

www.ahrar.org.pk

www.alakhir.com

majlisahrar@hotmail.com

majlisahrar@yahoo.com

تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوت شعبۂ تبلیغ مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان

مقامِ اشاعت: دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان ناشر: سید محمد کفیل بخاری طابع: اشتیاق کمپوزنگ سینٹر

Dar-e-Bani Hashim, Mehrban Colony, Multan.(Pakistan)

دل کی بات　　مدیر

سانحۂ پشاور کے مضمرات، نتائج اور حکومتی فیصلے

۱۶؍دسمبر ۲۰۱۴ء کو آرمی پبلک سکول پشاور میں دہشت گردی کا خوفناک اور بدترین سانحہ پیش آیا۔ اخباری معلومات کے مطابق سات نامعلوم دہشت گردوں نے سکول میں گھس کر معصوم طلباء پر اندھا دھند فائرنگ کی جس کے نتیجے میں ۱۵۰ طلباء شہید ہوئے اور ۱۲۵ کے قریب زخمی ہوئے۔ سفاک دہشت گردوں نے سکول کی خاتون پرنسپل کو بھی شہید کیا جب کہ ایک اور خاتون ٹیچر کو زندہ جلا دیا۔ فورسز نے فوری آپریشن کر کے چھے دہشت گرد مار دیے جب کہ ساتویں نے خود کو بم سے اڑا لیا۔ آپریشن میں سات افسر اور جوان زخمی ہوئے۔ دہشت گردوں نے اس ظالمانہ کارروائی کے لیے ۱۶؍دسمبر کا دن منتخب کیا کہ ۱۹۷۱ء کو اسی دن سقوطِ ڈھاکہ ہوا تھا اور ہمارا دوسرا بازو ''مشرقی پاکستان'' ہمارے جسم سے کاٹ دیا گیا تھا۔

سانحۂ پشاور اتنا المناک تھا کہ پورا ملک غم اور صدمے کی گہرائیوں میں ڈوب گیا۔ پوری قوم سوگوار اور ہر آنکھ پرنم تھی۔ خبریں پڑھی نہیں جاتی تھیں اور مناظر دیکھے نہیں جاتے تھے۔ حکومت نے ۳؍روزہ قومی سوگ کا اعلان کیا، تاجروں نے ملک گیر ہڑتال کی، تمام سیاسی اور دینی جماعتوں نے اس افسوس ناک سانحے کی شدید مذمت کی، وکلا نے احتجاجی ہڑتال کی، سکول، کالجز اور یونیورسٹی کے طلباء نے اپنے معصوم بھائیوں کے لیے دعائیں کیں اور مدارس و مساجد میں طلباء نے شہداء کے لیے قرآن خوانی اور ایصال ثواب کیا۔ ساری قوم نے شہداء کے ورثا سے اظہارِ تعزیت کر کے اُن کے غم میں شریک ہونے کی کوشش کی۔ میڈیا رپورٹس، تجزیہ نگاروں اور اخباری اطلاعات کے مطابق اس سانحے کے حوالے سے جو کچھ سامنے آ رہا ہے اس کے ساتھ بہت سارے سوالات بھی سامنے آ رہے ہیں۔

حملہ آور کون تھے؟ بیرونی مداخلت میں کون ملوث ہیں؟ کون سی قوتیں اندرونی طور پر اس سانحہ کی ذمہ دار ہیں؟ سکول کے اندر سے کن لوگوں نے دہشت گردوں کے لیے سہولت کار کا کردار ادا کیا؟

شاید ان سوالات کے جوابات مطلع صاف ہونے پر وقت کے ساتھ ساتھ آئیں۔ لیکن افسوسناک اور حیران کن بات یہ ہے کہ سانحۂ پشاور کو بغیر کسی تحقیق اور ثبوت کے ایک مخصوص طبقے نے دینی مدارس کے ساتھ جوڑنے کی مذموم اور بھرپور مہم شروع کر رکھی ہے۔ الیکٹرانٹ میڈیا پر تو ایسے لگتا ہے کہ سیکولر فاشسٹ اور لادین انتہا پسند عالمی استعماری قوتوں کے دہاڑی دار بن کر حق نمک ادا کر رہے ہیں۔ دینی مدارس اور علماء کے خلاف نتھنے پھلا کر پھنکارتے ہوئے اُن کی آنکھوں سے نفرت، منہ سے زہرناک جھاگ اور زبان سے بچھو جھڑ رہے ہیں۔ جمعیت علماءِ اسلام کے سربراہ مولانا فضل الرحمٰن نے کہا ہے کہ: ''حکمران دینی مدارس کی بجائے این جی اوز کا آڈٹ کریں۔ نائن الیون کے واقعے میں کوئی دینی طالب علم ملوث تھا نہ پھانسی پانے والوں میں کوئی ایسا ہے۔'' وفاق المدارس کے ناظم اعلیٰ مولانا محمد حنیف جالندھری نے کہا کہ: ''مدارس کا سالانہ آڈٹ ہوتا ہے، کسی مدرسہ کا رجسٹرڈ نہ ہونا حکومت کی ناقص کارکردگی ہے۔ رجسٹریشن کے عمل کو آسان بنایا جائے۔'' مجلس احرارِ اسلام پاکستان کے امیر مولانا سید عطاء المہیمن بخاری نے کہا کہ: ''مدارس کے علماء اور طلباء ملک کے وفادار اور خیر خواہ ہیں۔ مدارس کے خلاف مہم عالمی سامراج کا ایجنڈا ہے۔ قرآن و حدیث کے نصاب سے نفرت نہیں محبت و اخوت کا ماحول پیدا ہوتا ہے۔ دینی نصاب کو بدلنے یا ختم کرنے کی باتیں کرنے والے اپنے وطن اور مسلمانوں کے خیر خواہ نہیں دشمن ہیں۔''

ہماری دیانت دارانہ رائے ہے کہ حکومت ان تمام معاملات کا سنجیدگی سے جائزہ لے۔ مدارس کے بارے میں

سابق حکومت سے طے شدہ مسائل کو نئے سرے سے نہ چھیڑے بلکہ اُسے جو تحفظات ہیں وہ انھیں مدارس کے تمام بورڈز کے سربراہوں سے مل بیٹھ کر دور کرے اور باہمی اعتماد کی فضا قائم کرے اور ''درآمدی'' فیصلوں کو مسلط کرنے سے مسائل اور بڑھیں گے۔ سانحۂ پشاور کے بعد حکومت نے جو فوری فیصلے کیے، اُن میں سزائے موت سے پابندی ختم کرنے کا فیصلہ سرفہرست ہے۔ جس کے نتیجے میں بعض مجرموں کو پھانسی دے دی گئی اور باقی مجرموں کو پھانسی دینے کی تیاریاں مکمل ہیں۔ مجرموں کو سزا ضرور ملنی چاہیے، سزائے موت کی معطّلی پر صرف مذہبی جماعتوں نے ہی احتجاج کیا تھا اور بحالی پر بھی انھوں نے ہی خیر مقدم کیا۔ لیکن یہ سوال اپنی جگہ پر قائم ہے کہ حکومت نے پہلے کس کے کہنے پر سزائے موت معطل کی تھی اور اب کس کے کہنے پر بحال کی ہے؟

۲۴؍دسمبر کو وزیراعظم نواز شریف کی صدارت میں اسلام آباد میں آل پارٹیز کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس میں اے این پی کے اسفندیار ولی اور بی این پی کے محمود اچکزئی کے علاوہ تمام جماعتوں کے سربراہ شریک ہوئے۔ آرمی چیف جنرل راحیل شریف نے قومی رہنماؤں کو آپریشن ضربِ عضب اور موجودہ صورتِ حال پر بریفنگ بھی دی۔ گیارہ گھنٹوں کے طویل ترین دورانیے کے اس اجلاس میں کئی اہم فیصلے کیے گئے، جن میں دہشت گردی کے خاتمے اور فوری انصاف کے لیے فوجی عدالتوں کا قیام بھی ہے۔ پیپلز پارٹی، پی ٹی آئی اور جماعت اسلامی کے رہنماؤں کے مطابق ''ہم نے نہ چاہتے ہوئے بھی مجبوراً اس فیصلے کو قبول کیا۔'' آئینی ماہرین اس فیصلے پر تنقید بھی کررہے ہیں اور ادھر سپریم کورٹ میں فوجی عدالتوں کے قیام کے خلاف درخواست بھی دائر ہوچکی ہے۔ وکلا نے اس فیصلے کو مسترد کرتے ہوئے کہا کہ: ''ایک ملک میں دو نظام نہیں چل سکتے۔'' مولانا فضل الرحمٰن نے بھی کہا ہے کہ: ''ہم فوجی عدالتوں کے قیام کے حامی نہیں۔'' اے پی سی کے منظور کردہ ''ایکشن پلان'' پر عمل درآمد کے لیے وزیراعظم کی سربراہی میں کمیٹی قائم ہوچکی ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے حکمرانوں کو ملک وقوم کی بہتری کے لیے صحیح فیصلے کرنے اور اُن پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے (امین)

پاکستان کے شمالی علاقوں میں امریکی ڈرون حملوں کا سلسلہ پھر سے شروع ہوچکا ہے۔ پہلے تو حکومت رسمی مذمت کرتی تھی، اب غیر رسمی بھی نہیں کررہی۔ نہ مخالفت اور نہ ہی کوئی ردِّعمل بلکہ ''نرم دم گفتار'' کی حکمت عملی پر کاربند ہے۔ سانحۂ پشاور کو بہانہ بنا کر موجودہ صورت حال کو ''برقرار'' رکھنے، دینی مدارس، علماء وطلباء اور دینی قوتوں کو دیوار سے لگانے اور اہل دین کو مشکل ومصیبت میں مبتلا کرنے کا پروگرام مغرب کا ایجنڈا ہے جو ہماری دینی اقدار اور تہذیب کو بلڈوز کرنے پر مشتمل ہے۔ اہل دین کے لیے خصوصاً اور عام مسلمانوں کے لیے عموماً توبہ استغفار اور اللہ تعالیٰ سے دشمنوں کے تمام شرور وفتن سے حفاظت اور مدد طلب کرنے کا وقت ہے۔ مدارس کے طلباء وعلماء اس کا خصوصی اہتمام فرمائیں۔

حضرت امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے آج سے پینسٹھ برس قبل دین اور وطن دشمنوں کے عزائم کی نشان دہی اپنے اِن اشعار میں کی تھی:

زلفیں ہوں گی ، شانے ہوں گے　　کہیں کہیں افسانے ہوں گے
دین اور مذہب کے مرقد پر　　شمعیں اور پروانے ہوں گے

پوری قوم کے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔ ہم سب کو ایک ہوکر اور مل جل کر اپنے دین، اپنی تہذیب اور وطن کی حفاظت کے لیے پُرامن جدوجہد کو تیز تر کردینا چاہیے۔ اللہ، رسول کے نام پر بننے والے پاکستان کو دین اور مذہب کا مرقد بننے سے بچانا ہے، تہذیب کفر کی ''شمعوں'' اور ''پروانوں'' سے وطن عزیز کو برباد ہونے سے محفوظ کرنا اور پیارے پاکستان کو امن وسلامتی کا گہوارہ بنانا ہے اور قومی اتفاق رائے سے مایوسیوں میں امیدوں کے چراغ روشن کرنے ہیں۔

عبداللطیف خالد چیمہ

ڈاکٹر خالد سومرو کا قتل اور کیپٹن (ر) صفدر کی قومی اسمبلی میں تقریر

جمعیت علماء اسلام سندھ کے سیکرٹری جنرل ڈاکٹر خالد محمود سومرو کے سانحۂ قتل کے حوالے سے یکم دسمبر کو قومی اسمبلی میں صدائے بازگشت سنی گئی۔ مسلم لیگ (ن) کے رکن قومی اسمبلی جناب کیپٹن (ر) صفدر نے اس پر جو حقیقت پسندانہ گفتگو کی اُس کو ہم نعرۂ رُستاخیز سے تعبیر کرتے ہوئے تمام مذہبی طبقات کی طرف سے اِس جرأت رِندانہ پر مبارک باد بھی پیش کرتے ہیں اور شکریہ بھی ادا کرتے ہیں۔ جناب کیپٹن (ر) صفدر کی قومی اسمبلی میں کی گئی گفتگو کو ہم من وعن نقل کرتے ہیں۔

''قاری یوسف صاحب کی بات کو میں آگے بڑھاؤں گا اور ڈاکٹر خالد محمود سومرو کی شہادت پر میں بات کروں گا۔ یہ ڈاکٹر صاحب کی شہادت کسی ایک شخص کی شہادت نہیں ہے، کسی ایک جماعت کی شہادت نہیں ہے، کسی ایک فرد کی شہادت نہیں ہے، ایک عالمِ دین جو صبح کی نماز کے لیے مسجد میں جارہا ہے اور سجدے میں اس کا سر ہے اور اُس کو شہید کر دیا جاتا ہے۔

جناب ڈپٹی سپیکر! اس سے ہم کیا سبق لیں گے، کس طرف ہم دیکھیں گے۔ کیا اُس شخص کا قصور یہ تھا کہ وہ ننگے پاؤں چل کے مدارس میں حدیث پڑھنے گیا، قرآن سیکھا اور اللہ کے دین کو آگے پھیلا رہا تھا۔ یہ تو آج اگر بات کریں تو ایسٹ انڈیا والا نظریہ سامنے آرہا ہے۔ جب وہ لوگ ایسٹ انڈیا کمپنی برصغیر میں آئے تو اُنہوں نے پہلی رپورٹ میں لکھا کہ ان کے جو علماء ہیں اِن کو جو پڑھانے والے ہیں، اِن کو اللہ اور اُس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے راستہ دکھانے والے ہیں، اِن کی تذلیل کی جائے اور اِن کی محبتیں دل سے ختم کی جائیں۔ جب علماء کی محبتیں دِل سے ختم ہوئیں تو پھر ہمیں تاریخ بتاتی ہے کہ مسلمانوں کی برصغیر کے اندر کتنی تذلیل ہوئی! اس لیے کہ اُن کے دلوں سے علماء کی محبت نکل گئی تھی، آقا علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ''میری اُمت کے علماء، نبیوں کے وارث ہیں'' خواہ وہ کسی بھی مسلک سے تعلق رکھتے ہوں۔ مگر اللہ کا قرآن اور نبی کی حدیث تو اُن کے سینوں کے اندر پیوست ہے۔ جناب ڈپٹی سپیکر! آج دل خون کے آنسو رو رہا ہے۔ ہم بھی اُنہی آستانوں، اُنہی ولیوں، اُنہی بزرگوں کی اولاد میں سے ہیں۔ ہمارا دِل دُکھا کہ ایک شخص کے بیٹے کی شادی ہے۔ وہ ایک شاعر نے بڑا اچھا کہا تھا کہ

اے شمرِ بد نہاد ذرا ہاتھ روک لے
سجدے میں سر ہے مہوِ عبادت حسین ہے

یہ لوگ جب کہ سجدے میں سر ہوتا ہے تو کون لوگ ہیں جو اُن پہ فائرنگ کرتے ہیں۔

جناب ڈپٹی سپیکر! اس کو بڑے دور تک دیکھنا پڑے گا۔ کل مجھے بڑا دُکھ ہوا ہمارے صوبے کا پرویز خٹک کہتا ہے کہ ہم علماء کو سڑکوں پر گھسیٹیں گے! کوئی مائی کا لال پیدا ہوا ہے جو ہمارے اماموں کو سڑکوں پر گھسیٹے!

پرویز خٹک صاحب! کیا ہوا اگر آپ ناچ گانے کی محفل میں ذرا لیٹ پہنچ گئے۔ لوگ احتجاج کر رہے تھے دل خون کے آنسو رو رہا تھا اور جناب ڈپٹی سپیکر! 29/ تاریخ ہمارے پاکستان صوبہ خیبر پختونخواہ کا ایک تاریخ ساز دن تھا جب پرائم منسٹر

آف پاکستان تاشقند سے گوادر کی اِبتداء حویلیاں آپ کے حلقے سے کر رہے تھے اور میں دیکھ رہا تھا کہ وہ شخص اِفتتاح پر آنے والے لوگوں کو خطاب کر رہا تھا مگر اُس کا دِل دُکھ رہا تھا کیونکہ اُس کے ساتھ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب دوسری نشست پہ نہیں تھے، جنہوں نے جانا تھا! اُن کا ساتھی شہید ہوا تھا، جناب اب وہ افتتاح کی تقریب بھی آہوں اور سسکیوں میں گزر رہی تھی! ڈاکٹر خالد ایک چھوٹی شخصیت نہیں تھے۔ ایک شخص کی شہادت ایک شخص کا قتل پوری اُمت اور پوری انسانیت کا قتل ہے، یہ ہمارا دین کہتا ہے اور میں یہ آج پوچھتا ہوں کہ علماء دین بیٹھے ہیں اگر 1857ء کی تحریکِ آزادی چلی تھی تو اِنہی علماء کے قدموں کا فیض تھا کہ وہ تحریک چلی اور تاجِ برطانیہ کے خلاف بغاوت ہوئی۔ جناب ڈپٹی سپیکر! پیچھے ذرا اور چلیں تحریکِ خلافت کا سہرا کس کے سر ہے۔ تحریک پاکستان کا سہرا کس کے سر ہے، میں تو کہتا ہوں کہ 73 کے آئین کے اندر تحریک تحفظ ختمِ نبوت کا سہرا بھی اِنہی لوگوں کے سر ہے، آج ان کی قبریں منور ہیں، میں اگر جاؤں سید ابوالاعلیٰ مودودی کی ہسٹری پر، شاہ احمد نورانی مرحوم کی ہسٹری پر، بابا عبدالستار خان نیازی جو خالص نیازی تھا دوستو! آدھے راستے کا نیازی نہیں تھا، اُس کی ہسٹری پر جاؤں جنہوں نے 73ء کے آئین کو رونق بخشی۔ آج 73ء کے آئین کو لوگ آئین کہتے ہیں میں مقدس آئین کہتا ہوں۔

جناب ڈپٹی سپیکر! اگر آپ اُس کو کفن میں رکھ کر لے جائیں، اللہ کے فرشتے پوچھیں تمہارا رب کون ہے؟ تمہارا دین کیا ہے؟ اِس شخصیت بابرکت کے متعلق تمہارا کیا نظریہ ہے، اگر اِن سوالوں کا جواب نہ آئے تو اُس وقت اپنے کفن سے 73ء کا آئین نکالنا اور کہنا کہ میں نے ایک ایسے آئین کا تحفظ کیا جو تحفظ ختمِ نبوت پر دلالت کرتا تھا۔ قسم خدا کی بخشے جاؤ گے۔

جناب ڈپٹی سپیکر! ذوالفقار علی بھٹو ہو، یا ہمارے علماء ہوں رہتی دنیا تک اٹھا کے دیکھ لیں ساری دنیا اسلامی دنیا کے آئین جو ہیں۔ واحد آئین ہے اِن علماء کی محنتوں کا جن کی کاوشوں کا۔ جن کی قربانیوں کا کہ 1973ء کی وہ مسلم مسجد جو خون سے نہادی گئی تھی، جس کا خون باہر سڑکوں پر آ گیا تھا۔ کون لوگ تھے، اُس میں! یہی علماء تھے جنہوں نے پاکستان بنایا، جو پاکستان بچا رہے تھے۔ جو تحفظ ختمِ نبوت کے مجاہد بن کر نکلے آج ڈاکٹر خالد محمود کو پوری قوم پوری اُمت سلام پیش کرتی ہے، اُس کی شہادت پر۔

ہماری اُمت کے علماء ہیں، جن کی اگر تذلیل ہوگی تو اِس اُمت کی بھی تذلیل ہوتی رہے گی، اگر اِن پیروں، بزرگوں، علماء کا مام اِحترام ہوگا تو پھر رہتی دنیا تک ہمارا احترام جاری رہے گا، بہت شکریہ۔ میں آج بڑے دکھ کے ساتھ اُس کی اولاد سے۔ اس کے مشن کو جاری رکھنے والوں کو سلام پیش کرتا ہوں کہ اللہ کا دین، حدیث، اللہ کا قرآن اِن راستوں سے پھیلتا رہے گا۔ ایک ڈاکٹر کی شہادت سے یہ نہیں رُکے گا، اِن شاء اللہ کئی ڈاکٹر پیدا ہوں گے۔

احرار نیوز کا اِجرا:

حضرت قائد احرار مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے انتقال سے کچھ عرصہ پہلے راقم کو تاکیداً فرمایا تھا کہ مخابرات اور حالات حاضرہ پر تبصروں اور تجزیوں کے لیے لاہور سے ایک ہفت روزہ اخبار / رسالہ نکالنے کی فکر کرو۔ فرمانے لگے کہ ''نقیبِ ختمِ نبوت'' مہینے کے بعد شائع ہوتا ہے اور اس وقفے میں حالات تیزی سے بدلتے رہتے ہیں اور بات پرانی ہو جاتی ہے۔ اس کی اشد ضرورت تو تھی ہی مُستزاد اُن کا یہ فرمانا کہ خود میرے طبعی ذوق کے عین مطابق بھی تھا۔

پھر اس پر کئی دفعہ مشاورت بھی ہوئی لیکن وسائل وافراد کی کمی آڑے آتی رہی، دس سال سے زائد عرصہ قبل چیچہ وطنی سے علاقائی جماعتی سرگرمیوں کی اشاعت کے لیے ''احرار نیوز'' کے نام سے دوورقہ نیوز لیٹر شروع کیا گیا، جو حسب حالات و ضرورت وقتاً فوقتاً شائع ہوتا رہا۔ اب عزیز محترم جناب ڈاکٹر محمد عمر فاروق اور جناب مولانا تنویر الحسن (تلہ گنگ) نے پوری ذمہ داری کے ساتھ (فی الحال) ہر مہینے باقاعدگی کے ساتھ شائع کرنے کا عزم وارادہ کیا ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ ''احرار نیوز'' کا پہلا شمارہ 12 ربیع الاوّل 1436ھ کو چناب نگر کی ''سالانہ ختم نبوت کانفرنس'' کے موقع پر دستیاب ہوگا، ساتھیوں سے درخواست ہے کہ خود بھی اس کے خریدار بنیں اور اس کی اشاعت کو بڑھانے میں بڑھ چڑھ کر دلچسپی لیں مزید یہ کہ لکھنے لکھانے کا شوق اور صحافتی ذوق پیدا کریں کہ اِس مؤثر ہتھیار کے بغیر دینی و جماعتی اور اجتماعی کام آگے بڑھانا ناممکن ہوگیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نظر بد سے بچائیں اور شرور وفتن سے محفوظ فرمائیں، آمین یارب العالمین

الغازی مشینری سٹور
ہمہ قسم چائنہ ڈیزل انجن، سپیئر پارٹس
تھوک و پرچون ارزاں نرخوں پر ہم سے طلب کریں
بلاک نمبر 9 کالج روڈ، ڈیرہ غازی خان 064-2462501

محمد فاروق قریشی

سانحۂ پشاور، علماء اور دینی مدارس

۱۶؍دسمبر قومی تاریخ کا کرب ناک استعارہ ہے کہ اسی روز ۱۹۷۱ء میں پاکستان دولخت ہوا تھا۔ امسال اس دن نے اک اور قیامت ڈھائی کہ سانحۂ پشاور نے پوری قوم کو تڑپا دیا، رُلا دیا۔ پھول سے بچوں کو خاک وخون میں تڑپا کر سفاکیت کی ایسی مثال قائم کی گئی کہ اس کی نظیر ڈھونڈنے سے نہیں مل سکتی۔ ایک عشرہ ہو چلا ہے لیکن قوم کا ہر فرد ہنوز اس کرب سے بے چین ہے۔ مجموعی طور پر قوم کے تمام طبقات نے اس سانحہ کی پرزور مذمت کی ہے اور ہر شخص نے اپنے انداز واستعداد کے مطابق سوگ منایا ہے۔ یہاں پر دو باتیں قابل غور ہیں۔

غم اور خوشی انسانی زندگی کے اہم ترین پہلو ہیں جن کے بارے میں ہر مذہب نے تعلیمات واضح کی ہیں اور اس کے انداز واطوار کے بارے میں مختلف تہذیبوں کے بھی متنوع مظاہر ہیں۔ اسلام کہ دین فطرت ہے لہٰذا انسانی فطرت کے اس اہم پہلو کے بارے میں انتہائی وضاحت وصراحت کے ساتھ مسائل کے طریق بیان کر دیے گئے ہیں۔ اظہارِ غم کے لیے سوگوار ہونا اور رونا عین فطرت ہے، اس لیے شریعت نے قدغن نہیں لگائی لیکن آہ و بکا کے ساتھ ماتم کی اجازت نہیں دی۔ مرحومین کے غم میں گریہ کے ساتھ اللہ کی امانت اس کے سپرد کرنے کا تصور کرتے ہوئے اللہ کی رضا پر راضی ہونے کا مظاہرہ اسلامی تہذیب کا خاصہ ہے۔ مرحوم کی مغفرت و بلندیٔ درجات اور متعلقین کے صبر کی دعا وتعزیت اسلامی تمدن کے مظاہر ہیں۔ دیگر مذاہب اور اقوام کے انداز وطریق اسلامی تہذیب سے مختلف ہیں۔ عموماً دیگر مذاہب میں تعزیت کے لیے پھولوں کے گلدستے اور دیے روشن کرنے کا رواج ہے۔ سانحۂ پشاور میں مسلمان بچے شہید ہوئے جن کی تعزیت کے لیے ملک میں غیر مسلم کمیونٹی نے اپنے طریق کے عین مطابق شمعیں روشن کر کے دلی تعزیت اور جذبات کا اظہار کیا جب کہ بیرون ملک دنیا بھر میں شہداء پشاور کے اظہارِ غم میں دو منٹ کی خاموشی اختیار کر کے یکجہتی کا مظاہر کیا گیا۔ اقوام عالم کے اظہارِ غم پر پاکستانی قوم ان کی شکر گزار ہے۔ پاکستان میں بھی دیگر مذاہب وغیر مسلم اقوام کے علاوہ جدید تعلیم یافتہ مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد نے شرعی طریقے پر دعاءِ مغفرت کرنے کی بجائے گلدستے رکھنے اور شمعیں جلا کر اظہار تعزیت کرنے کا چلن اپنایا۔ ملک میں شاید ہی کوئی علاقہ ایسا ہو جہاں پر ایسا نہ ہوا ہو۔ حیرت ہے کہ روشن خیال اور لبرل ازم کے نام پر اچھے خاصے تعلیم یافتہ حضرات وخواتین اسلامی تعلیمات اور تمدن سے اعراض کرتے ہوئے مغربی تہذیب کے سانچے میں ڈھل کر دیگر مذاہب کی روایات کو معاشرے میں پروان چڑھانے کی روش پر گامزن ہیں۔ اسلامی تمدن کے مقابل مغربی تہذیب کے فروغ میں حسب روایت میڈیا اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ معمولی تعلیم یافتہ اینکر اور مخصوص ڈگر پر

گامزن نمائندگان تہذیبی تصادم میں شعوری یا لاشعوری طور پر مغربی تہذیب کی نمائندہ صف میں نظر آتے ہیں۔ رائے عامہ تشکیل دینے کے شعبہ کے ذمہ دار حضرات کو اپنے رویہ پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے۔

سانحۂ پشاور نے جسدِ ملّی پر ایسا چرکا لگایا ہے کہ ہر فرد بلبلا اُٹھا ہے اور ہر طبقہ نے اس سفاکی اور بہیمیت کی پرزور مذمت کی ہے۔ قابل افسوس امر یہ ہے کہ اس دل دوز واقعہ کی آڑ میں کچھ لوگ اپنی ناآسودہ خواہشات کی تکمیل کا اہتمام کرنے لگے ہیں۔ دین بے زار طائفہ اور فرقہ وارانہ ذہنیت سے آلودہ گروہ تو اپنی طبعی خاصیت کے باوصف منافرت آمیز روش پر مجبور ہیں لیکن جدید تعلیم یافتہ اور روشن خیالی کی علم بردار ''سول سوسائٹی'' کا انداز بھی قابلِ دید ہے کہ قومی سوگ کی کفیت کو علماء اور دینی مدارس کے خلاف استعمال کرنے پر اس قدر مصر ہے کہ گویا ''اب یا کبھی نہیں'' کی صورت حال درپیش ہے۔ سانحۂ پشاور کے بعد دہشت گردی کے خلاف قومی یکجہتی کی فضا کو مخصوص ایجنڈے کی تکمیل کا ذریعہ بنانے کی کوشش معصوم شہداء کے لہو کو رائیگاں کرنے کی مذموم سازش ہے۔

کسی بھی اچھے یا برے واقعہ کی ستائش و مذمت قومی طبقات کی اجتماعی روش پر منحصر ہوتی ہے۔ سانحۂ پشاور کی مذمت میں دیگر طبقات کی طرح علماء اور دینی مدارس کے تمام وفاق کے نمائندہ حضرات نے دلی افسوس اور شدید مذمت کا اظہار کیا ہے۔ اس کے باوجود صرف علماء کے طبقہ کو نشانہ بنایا ہوا ہے کہ اس طائفہ کے فلاں فرد نے حسب منشا انداز مذمت اختیار نہیں کیا۔ واقعہ کے اثبات و نفی سے قطع نظر یہ صورت حال اس قدر حیرت انگیز ہے کہ اپنے چبائے ہوئے لقمے دوسرے کے منہ میں ڈالنے پر اصرار کیا جارہا ہے۔ معاشرے میں کسی فرد سے ذاتی رائے اختیار کرنے کا حق کیسے سلب کیا جا سکتا ہے؟ علماء پر قدامت پسندی اور رجعت پرستی کے طعنہ بردار گروہ کا مؤقف یہی تو ہے کہ یہ طبقہ اختلاف رائے کو برداشت نہیں کرتا اور اپنے مؤقف پر قائم رہتے ہوئے انتہا پسندی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ عجب معاملہ کہ ضد اور بے جا اصرار کی روش خود اپنالیں تو بھی روشن خیالی اور آزادروی پر کوئی حرف نہیں آتا

تمھاری زلف میں پہنچی تو حسن کہلائی
وہ تیرگی جو مرے نامۂ اعمال میں تھی

دہشت گردوں کے چہروں پر داڑھی ہونا بھی گویا دین کی نمائندہ علامت ہے حالانکہ دیگر مذاہب کے لوگوں میں بھی اس کی مثالیں موجود ہیں۔ اس لیے علماء اور دینی مدارس کے خلاف مسلسل پروپیگنڈا مہم جاری ہے۔ میڈیا کے تمام چینلز ''اس کارِ خیر'' میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں۔ ایک سے بڑھ کر ایک بقراط ایسی ایسی لن ترانی کا مظاہرہ کررہا ہے کہ علم و دانش ہی نہیں سنجیدگی و متانت نے بھی ورطۂ حیرت میں سر پیٹ لیا ہے۔

ناطقہ سر بہ گریباں ہے اسے کیا کہیے
خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا کہیے

چہرے مہرے کی مماثلت ومشابہت کی بنیاد پر کہا جارہا ہے کہ دہشت گردوں کا بشرہ دینی مدارس کے طلباء سے میل کھاتا ہے لہٰذا دینی مدارس کو بند کر دیا جائے کہ قصہ تمام ہو جائے، یعنی نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ اس مؤقف کو دلیل ماننے میں قباحت یہ ہے کہ پھر دیکھنا ہوگا کہ جیلوں میں محبوس مجرموں کا سلسلۂ نسب کیا ہے اور وہ کن اداروں سے متعلق رہے ہیں؟ پھر ہر متعلقہ ادارے کو زمیں بوس کرنا ہوگا کہ جرم کی بیخ کنی کے لیے ان کی مادرِ علمی کے وجود کو ختم کرنا ضروری قرار پایا ہے۔ یہ سلسلہ تو طول شب ہجراں سے بھی کئی ہاتھ بڑا ہوگا۔ سردست موجودہ پھانسی پانے والے بدنصیبوں کا پس منظر معلوم کر کے فیصلہ کر لینا چاہیے۔ ایسا کرنے کی کوئی ہمت رکھتا ہے یا محض خواہش نفس کو دلیل بنا کر آسودہ خیال کا اہتمام مقصود ہے؟

دینی مدارس کا وجود عہد انگریز سے ہی استعماری قوتوں کے لیے تازیانہ بنا ہوا ہے۔ ایک مدت سے مغربی ممالک اور لادین عناصر مدارس کے وجود کو مٹانے کے درپے ہیں۔ افسوس کہ ہمارا نوجوان طبقہ، دین سے بیگانہ ماحول کی بنا پر اس مسموم پروپیگنڈا سے متاثر ہو رہا ہے۔ پاکستان میں ایوب خان سے لے کر پرویز مشرف تک اکثر حکمرانوں نے بقدر توفیق اس مہم کو سر کرنے کی کوشش کی ہے لیکن اسلامیان پاکستان نے ان کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہونے دی۔ مدارس کے نصاب کی تبدیلی اور جدید علوم کی تعلیم کے اجراء کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ سرکاری نظم کے تحت قائم پروفیشنل تعلیمی ادارے اپنے خاص موضوع کی تعلیم کے لیے مختص ہیں لیکن وہاں دیگر علوم کی تعلیم کے بارے میں کہیں سے کوئی آواز بلند نہیں ہوتی اس لیے کہ اسے قومی ضرورت خیال کیا جاتا ہے۔ یہاں یہ بات محل نظر ہے کہ کیا دینی تعلیم کی ضرورت ہے یا نہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو اس ضرورت کو پورا کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ اس باب میں حکومت نے اپنی ذمہ داریوں کا کس قدر پاس کیا ہے؟ اس کی گواہی گزشتہ سڑسٹھ برس کی تاریخ کا ایک ایک لمحہ دے رہا ہے۔ حکومت کے اعراضِ مسلسل کی صورت میں علماء اور غیر ریاستی ادارے اس ذمہ داری کو پورا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں تو یہ عمل قابلِ تحسین ہونا چاہیے لائق نفرین نہیں۔ سرکاری اور غیر ریاستی حلقوں کی طرف سے دینی مدارس میں نصاب کی تبدیلی کا مطالبہ بھی بوالعجبی کے سوا کچھ نہیں۔ کیا سرکاری بجٹ پر چلنے والے تعلیمی اداروں کا نصابِ تعلیم قومی مزاج اور ضرورت سے ہم آہنگ ہے؟ سرکاری اداروں کے علاوہ غیر ریاستی نظم کے تحت جاری تعلیمی ادارے مختلف نصابوں پر کاربند ہیں اور حکومت اس ضمن میں کوئی کارآمد پالیسی اختیار کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔ اس صورت حال میں صرف دینی مدارس کے نصاب پر حرف زنی اور مداخلت اپنی حیثیت سے زیادہ وزن اٹھانے اور دخل در معقولات کے مترادف ہے۔

☆.....☆.....☆

امام شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ علیہ
منظوم ترجمہ: حکیم سرو سہارن پوریؒ

ہمارے سیّد و مولا محمد صلی اللہ علیہ وسلم

أَلصُّبْحُ بَدَا مِنْ طَلْعَتِهٖ
سحر طاری ہوئی ہے آپ کے ماتھے کی طلعت سے

وَاللَّيْلُ دَجٰى مِنْ وَفْرَتِهٖ
یہ رونق رات نے پائی ہے زلفوں کی عنایت ہے

فَاقَ الرُّسُلَا فَضْلاً وَّ عُلَا
بزرگی میں وہ سبقت لے گئے سارے رسولوں پر

اَهْدَى السُّبُلَا لِدَلَالَتِهٖ
کہ رستے دین کے روشن ہوئے ان کے ہدایت سے

كَنْزُ الْكَرَمِ مَوْلَى النِّعَمِ
خزانے بخششوں کے رحمتوں کے مِلک ہیں اُن کی

هَادِي الْاُمَمِ لِشَرِيْعَتِهٖ
ہدایت یاب ساری اُمّتیں اُن کی شریعت سے

اَزْكَى النَّسَبِ اَعْلَى الْحَسَبِ
نسب اُن کا حسب اُن کا بہت ارفع، بہت اعلیٰ

كُلُّ الْعَرَبِ فِيْ خِدْمَتِهٖ
شرف پایا ہے سارے عالموں نے اُن کی خدمت سے

سَعَتِ الشَّجَرُ نَطَقَ الْحَجَرُ
شجر خدمت میں آئے، پتھروں نے بات کی اُن سے

شَقَّ الْقَمَرُ بِاِشَارَتِهٖ
قمر شق ہو گیا اُن کی انگشتِ شہادت سے

جِبْرِيْلُ اَتَى لَيْلَةَ اَسْرٰى
شبِ معراج ان کے پاس جبریلِ امیں آئے

وَالرَّبُّ دَعٰى لِحَضْرَتِهٖ
بلایا رب نے اُن کو عرش پر اپنی عنایت سے

نَالَ الشَّرَفَا وَاللّٰهُ عَفَا
اُنھی کے واسطے سے سب شرف پائے ہیں لوگوں نے

عَنْ مَّا سَلَفَا مِنْ اُمَّتِهٖ
گناہ سب دور فرمائے ہیں رب نے اُن کی اُمّت کے

فَمُحَمَّدُنَا هُوَ سَيِّدُنَا
ہمارے سیّد و مولا ﷺ محمد ﷺ ہیں محمد ﷺ ہیں

فَالْعِزُّ لَنَا لِاِجَابَتِهٖ
کہ عزت ہے ہمارے واسطے اُن کی اطاعت سے

پروفیسر محمد حمزہ نعیم

مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور شعبِ بنی ہاشم

کوئی درخت بغیر شاخوں کے نہیں ہوتا اسی طرح خاندان اور قبیلے (شجرہ نسب) باپ سے بیٹے، بیٹیاں، بیٹوں سے پوتے، پوتیا، بیٹیوں سے نواسے نواسیاں، شاخیں بنتی چلی جاتی ہیں۔

ارشاد ربانی ہے اے لوگو! ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمھارے شعوب، خاندان اور قبیلے بنا دیے تا کہ تم ایک دوسرے کی پہچان کر سکو۔ (خاندان اور قبیلے شاخیں اور گوتیں ذریعہ تفاخر نہیں، صرف تعارف کا ذریعہ ہیں) ذریعۂ تفاخر تو تقویٰ ہے۔ اللہ کے ہاں زیادہ عزت والا تم میں سے وہ ہے جو زیادہ تقویٰ والا ہے۔ (الحجرات)

ش ع ب، تین حرفی مادہ ہے جو متضاد معانی کا حامل ہے یعنی جمع کرنا اور متفرق کرنا، پھاڑنا وغیرہ شاخوں والا ہونا، یعنی ایک درخت جو نیچے جمع ہے اکٹھا ہے، اوپر اس کی شاخیں متفرق ہیں۔ بالکل اسی طرح جس طرح ہزار ہا قبیلے، ذاتیں، ان گنت قومیں، برادریاں سطح ارض پر آباد ہیں، اوپر جا کر سب بابا آدم اور اماں حوّا علیہما السلام پر ایک ہیں۔ اسلام نے قرآن اور حدیث میں ہمیں یہی سبق دیا ہے کہ تم سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور یہ کہ معیار عزت تقوی، اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرماں برداری ہے۔

یہ پہلا سبق تھا کتاب ہدیٰ کا
کہ مخلوق ساری ہے کنبہ خدا کا

شعب کا معنی پہاڑی راستہ، درہ کوہ اور بڑا قبیلہ بھی ہے۔ اصل میں جہاں پر جو بڑا قبیلہ آباد ہو گیا وہ علاقہ اس کے نام سے موسوم ہو گیا۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے انکار چمکتے سورج سے انکار ہے۔ ہر علاقے، ہر زبان اور ہر زمانے میں یہ الفاظ ایسے ہی مروج تھے اور ہیں۔ کہیں ایک قبیلے کے نام سے علاقے کو ایک نام دیا گیا، کہیں کسی ایک شخص کے نام پر علاقے کا نام رکھ دیا گیا اور ہر علاقے اور بولی میں ایک ہی مفہوم معمولی اختلافی لفظوں کے ساتھ ادا کر دیا گیا۔ اردو، پنجابی کو لے لیں۔

سیال قوم کی جنگل والی آبادی جھنگ سیال، سندرانہ قوم کی آبادی سندرال، تاج الدین سوری کا آباد کردہ اس کا محکوم علاقہ سوری کوٹ یا شورکوٹ، ظریف خان نامی شخص کے نام پر کوٹلہ ظریف خان، ٹیک سنگھ کے نام پر ٹوبہ ٹیک سنگھ، گوجر قوم کی بڑی بڑی آبادیاں گوجرہ، گوجرانوالہ اور گوجر خان، سرگانہ قوم کے رستم کے نام پر رستم سرگانہ، سیال قوم کی آبادیاں میرک سیال، محرم سیال، خان نام کے آدمی کا مسکن خان دا کوٹ، شاکر نام پر کوٹ شاکر، یہ مختصر سے علاقے کی مثالیں پیش کی ہیں۔ یہی صورت حال جزیرہ عرب سمیت پوری آباد زمین کی ہے۔ انگریزوں کی بستی انگلستان، ترک علاقے ترکی اور ترکستان، قازق قوم سے قازقستان، عربی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شہر مدینۃ الرسول کہلایا۔ قدیم عربی میں ایک ہی

بستی اور شہر میں کسی بھی معروف اور نام وَر دادا کی اولاد اس بزرگ کے نام کا علاقہ، محلّہ یا شعب کہلایا۔ تاہم علاقوں، بستیوں اور محلوں وغیرہ کے نام صرف قوموں، قبیلوں اور شخصیات ہی کے نام پر ضروری نہیں۔ وجہ تسمیہ کئی طرح کی ہوسکتی ہے تفصیل میں جانا مقصود نہیں یہ بات ہر کوئی جانتا ہے۔

مکہ مکرمہ جب اُمّ القریٰ، سب بستیوں کی ماں، سب سے پہلے آباد ہونے والا، اپنے درمیان اللہ کے گھر کی سعادت پانے والا شہر ہوا تو لازم تھا کہ یہاں بھی خاندان اور قبائل کے نام پر آبادیوں کی پہچان ہوتی۔ لہٰذا قبل از اسلام قدیم عرب میں مکہ شہر میں بھی درجنوں شُعوب تھے۔ کتاب اخبار مکہ میں ۴۱ شُعوب کی فہرست موجود ہے۔ اہل تحقیق مراجعت فرما سکتے ہیں۔ بعض شُعوب بھرپور آبادی والے، بعض گزرتے زمانہ کے ساتھ غیر آباد بھی ہوئے۔ مکہ مکرمہ کے انھی شُعوب میں قریشی گھرانوں کے مسکونہ مکانا تھے اور انھی گھرانوں اور خاندانوں کے ناموں کی نسبت سے موسوم بھی تھے۔ مثلاً بیت اللہ کے جنوب میں شَعب بنی مخزوم، مشرق کی طرف شَعب بنی عام اور شَعب بنی ہاشم (حوالہ کے لے دیکھیے: کتاب المنق، اخبار مکہ و دیگر)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا حضرت عبدالمطلب بن ہاشم ان کے تین سوتیلے بھائیوں اسد، نصلہ اور ابوصیفی کے مکانات جس شعب میں تھے وہ ان کے والد محترم سردار ہاشم بن عبد مناف کے نام پر شَعب بنی ہاشم یعنی ہاشمی خاندان کا محلّہ کہلایا۔ بیت اللہ شریف کے بالکل مشرق میں جس مکان کو مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کا شرف حاصل ہوا، آج کل وہاں مکہ مکرمہ کی عظیم لائبریری مکتبہ مکہ قائم ہے۔ ناسخ التواریخ کا مشہور شیعہ مؤرخ لکھتا ہے:

''ولادت آنحضرت در مکہ در کوئے بود کہ مشہور است بہ زقاق المولد و آں کوئے در شعبے است کہ معروف است بہ شَعب بنی ہاشم۔'' (ناسخ التواریخ، جلد:۲، ص:۳۴۱) (زقاق کا معنی گلی یا چوک)

یعقوبی جیسا قدیم اور شیعہ مؤرخ مقاطعہ قریش کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ بنو ہاشم اور بنو مطلب شَعب بنی ہاشم اپنے موروثی شعب میں محصور رہے۔

''حَصَّرَتْ قریش رسولَ اللّٰہِ وَ اَھْلِ بَیْتِہٖ من بَنی ھاشم و بنی مطلب بن عبد مناف فی الشَّعب الذی یقال لہ شَعب بنی ھاشم۔'' (تاریخ یعقوبی)

ایک اور مؤلف اپنی تالیف رسالت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم میں جب کہ وہ خود بھی مکی ہے، لکھتا ہے:

''شعبِ بنی ہاشم میں عبدالمطلب کے مکان کے ساتھ بھی لوگوں نے یہی (مبالغہ احترام) کیا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام پیدائش مانا جاتا ہے۔ (ص:۱۳۸) اسی صفحہ کے حاشیہ پر لکھا ہے: ''شِعب دو پہاڑوں کے درمیانی وادی کو کہتے ہیں۔ قبیلہ بنی ہاشم ایسے ہی مقام پر آباد ہے۔ اس لیے شعب بنی ہاشم کہا جاتا ہے۔''

معجم البلدان کے الفاظ یوں ہیں: ''و کان لعبد المطلب فقسم بین بنیہ حین ضعف بصرہ و کان النبی أخَذ حظ ابیہ وھو کان منزل بنی ھاشم و مسَاکنھم'' (جلد:۵، ص:۲۷۰)

ترجمہ: اس شعب میں بنی ہاشم کے مکانات تھے، عبدالمطلب کی نظر جب کمزور ہوگئی تو انھوں نے اس شعب کو اپنے

تمام بیٹوں میں تقسیم کر دیا۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے باپ کا حصہ ملا۔

ابو طالب کو جو حصہ ملا اُسی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی پیدا ہوئے۔ آج بھی مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم مکتبہ مکہ کے متصل دائیں جانب مولد علی، معروف جگہ ہے۔ اس کے قریب ہی آج کل زمزم کی بڑی ٹوٹیاں لگ گئی ہیں۔

قدیم مؤلف ابن عبدربہ نے لکھا ہے: ''وولد علی بمکة فی شعب بنی هاشم''

(العقد الفرید، جلد:۳ص:۹۶)

زبیر بن عبدالمطلب کی وفات کے بعد آغاز نبوت سے دس برس تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے والد ابو طالب بنی ہاشم کے سردار رہے اور ایک غیرت مند قریشی سردار قبیلہ کی طرح مشرک معاندین قریش کے مطالبوں کو دو بار ٹھکرا دیا۔ اس زمانے میں قبائلی حمیت وعصبیت کا جذبہ ہی افراد خاندان کی حفاظت کا ذریعہ تھا۔ بنو ہاشم اور بنو مطلب نے مقاطعہ کے شدائد کو بخوبی برداشت کیا تھا۔ ابو طالب نے اسی موقع پر عبد شمس، نوفل، بنی مخزوم وغیرہ قبائل کی مذمت میں جو شعر کہے ان میں واضح طور پر کہا گیا تھا کہ ''اللہ کے گھر کی قسم ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں چھوڑ سکتے یہاں تک کہ شعب (بنی ہاشم) میں گھمسان کی لڑائی تم نہ دیکھ لو۔'' (سیرت ابن ہشام)

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم از علامہ شبلی نعمانیؒ میں بعد کے مشہور کیے گئے نام کی غلطی کو علامہ سید سلیمان ندویؒ نے حاشیہ کتاب پر لکھ کر درستی فرمائی کہ ''یہ ایک پہاڑی درّہ تھا جو بنی ہاشم کا موروثی تھا۔'' بنی ہاشم کا موروثی ہونے کی بنا پر ''شِعْبِ بنی ہاشم'' کہلایا۔

ایک اور معروف ماخذ تاریخ خلیفہ ابن خیاط میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کی پیدائش کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: ''وُلِدَ عَلِیٌّ بِمَکَّةَ فِیْ شِعْبِ بَنِیْ هَاشم'' (جلد:اوّل،ص:۱۸۲)

ترجمہ: علی رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ کے شعب بنی ہاشم میں پیدا ہوئے۔

محقق دوران مؤلف ''رحماء بینہم'' حضرت مولانا محمد نافع دامت برکاتہم اپنی تالیف لطیف سیرت سیدنا علی المرتضٰی کے صفحہ:۳۲ پر مذکورہ حوالہ تاریخ خلیفہ بن خیاط کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''ان (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کی والدہ محترمہ فاطمہ بنت اسد ہیں۔ مکہ مکرمہ میں بنی ہاشم کی ایک وادی مشہور تھی جسے شِعْبِ بنی ہاشم کہتے تھے۔ اس وادی میں آنجناب کی ولادت ہوئی۔''

یہ وہی جگہ تھی جس کا پہلے ذکر ہوا کہ مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منہ کریں تو دائیں طرف متصل جگہ پر مولد علی رضی اللہ عنہ لکھا ہوا تھا۔ اب یہاں صاف میدان بنا کر صحن حرم میں شامل کر لیا گیا ہے، تاہم مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم بصورت ''مکتبہ مکہ'' قائم ہے۔ اللہ اس مقدس مقام کو سلامت تا قیامت رکھے تاکہ اہل دل کی مشتاق نگاہوں کے لیے تسکین جان بنا رہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت فرما جانے کے بعد آپ کے چچازاد بھائی عقیل بن ابی طالب جو فتح مکہ کے

موقع پر مسلمان ہوئے، نے مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور شِعْبِ بنی ہاشم کے دیگر مکانات پر قبضہ کیا پھر خود ہی انھوں نے یا بروایت دیگر ان کی اولاد نے یہ سب مکانات محمد بن یوسف ثقفی (محمد بن قاسم کے دادا اور حجاج بن یوسف کے بھائی کے ہاتھ فروخت کر دیے) اس طرح شِعبِ بنی ہاشم اب شِعبِ ابن یوسف کہلانے لگا۔ (اخبار مکہ از ابوالولید ازرقی، جلد:۲،ص:۱۶۰)

اس کے بعد امیر المؤمنین موسیٰ اور امیر المؤمنین ہارون عباسی خلفاء کی والدہ محترمہ خیزران نے یہ جگہ خرید لی اور اس نے مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گھریلو رہائشی حیثیت سے نکال کر مسجد بنادی اور اسے نماز کے لیے مخصوص کر دیا۔ (حوالہ بالا)

شیعہ مؤرخ نے بھی لکھا ہے کہ: ''مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم مشہور شِعْبِ بنی ہاشم کے اندر ہے جسے اب سرائے محمد بن یوسف ثقفی کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔'' اور یہ کہ اولاد عقیل نے والد کے فوت ہونے پر حجاج کے بھائی محمد بن یوسف کو یہ مکانات اور جگہ فروخت کر دی جس نے ان اپنی سرائے بیضاء (White Home) میں اسے شامل کر دیا۔ ہارون رشید کی حکومت کے زمانہ میں اس کی والدہ خیزران نے مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد کی شکل دے دی کہ میلاد کے دن لوگ زیارت کو آتے اور خوشی مناتے ہیں۔ (ناسخ التواریخ، جلد:۲،ص:۳۴۱)

اپنے عالی شان مکان میں ابن یوسف ثقفی نے مکانات شعب بنی ہاشم اور مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شامل کیا تو اس پورے علاقے کا نام ہی ''البیضاء'' یا ''شعب ابن یوسف'' پڑ گیا۔

معجم البلدان میں لکھا ہے: **شعب ابن یوسف وھو الشعب الذی اولی الیه رسول اللّٰه و بنو ھاشم لما تحالف قریش علی بنی ھاشم و کتبوا الصحیفة و کان لعبد المطلب.**

ترجمہ: شعب ابن یوسف وہ شعب ہے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بنو ہاشم اس وقت پناہ گزین ومحصور رہے جب قریش نے ان کے خلاف (بائیکاٹ کا) معاہدہ کیا اور ایک تحریر لکھی تھی اور یہی شِعْب عبدالمطلب کی تھی۔

(معجم البلدان، جلد:۵،ص:۲۷۰)

علامہ ازرقی لکھتے ہیں: **شعب ابن یوسف کان لهاشم بن عبدمناف دون الناس.**

ترجمہ: شعب ابن یوسف ہی ہاشم بن عبدمناف کی تھی اس کے ساتھ اور کسی کا تعلق نہ تھا۔

عبدالمطلب نے اپنے حصے کے مکانوں کو اپنے بیٹوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ اس وقت جب کہ ان کی بینائی جاتی رہی تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے والد کا حصہ ملا تھا۔ عباس بن عبدالمطلب کو بھی اپنا حصہ ملا تھا۔ (اخبار مکہ، جلد:۲،ص:۱۸۸)

بیت اُمّ المؤمنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی قریب ہی تھا۔ علامہ ازرقی لکھتے ہیں:

و منزل خدیجة زوج النبیّ ﷺ و فیه ابتنی بخدیجة و ولدت فیه خدیجة اولادھا جمیعاً و فیه توفیت خدیجة فلم یزل النبی ساکنا فیه حتی خرج الی المدینة مهاجرا فاخذه عقیل بن ابی طالب ثم اشتراه منه معاویه وھو خلیفة فجعله مسجدا و فتح معاویة فیه بابا من دار ابی سفیان التی قال رسول اللّٰه ﷺ یوم الفتح من دخل دار ابی سفیان فهو اٰمن.

ترجمہ: اُمّ المؤمنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا گھر جہاں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے شب زفاف فرمائی اور جہاں سیدہ خدیجہ سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری اولاد پیدا ہوئی، وہیں سیدہ خدیجہ کی وفات ہوئی اور ہجرت فرمانے تک نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہیں قیام فرمارہے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تو اس بیت خدیجہ، بیت النور کو بھی عقیل بن ابی طالب نے لے لیا، پھر ان سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں اسے خرید لیا اور اس بیت النور کو مسجد بنا دیا۔ اس کے ساتھ ہی وہ دار ابی سفیان تھا جس کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ جوئی دار ابی سفیان میں داخل ہو جائے گا وہ امن میں ہے، اس دار ابی سفیان سے ایک دروازہ بیت سیدہ خدیجہ میں کھول دیا۔ (حوالہ بالا، جلد:۲ص:۱۶۱)

خیال رہے کہ شعب بنی ہاشم بشمول مولد علی و مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ مکرمہ سے جانب مشرق، بیعت سیدہ خدیجہ اور دار سیدنا ابی سفیان مشرق سے تھوڑا جانب شمال اور شعب بنی مخزوم کعبہ مکرمہ سے نچلی جانب مسفلہ میں جنوبی سمت میں تھا۔ اسی محلّہ میں ہبیرہ مخزومی کا گھر تھا جو سیدہ اُمّ ہانی کا شوہر اور ابوجہل کا قریبی رشتہ دار ہو کر بدترین دشمنِ رسول تھا۔ ہبیرہ مخزومی کے بھاگ جانے پر سیدہ اُمّ ہانی رضی اللہ عنہا (ہند بنت ابی طالب) کلمہ اسلام پڑھ کر اسلام اور شرف صحابیت سے مشرف ہو چکی تھیں۔

آج کے ایک بڑے عالم دین، کالم نگار اور ادیب نے بھی اپنے سفرنامۂ حرمین میں مذکور بالا شِعب کو شِعبِ بنی ہاشم لکھا ہے۔ (دیکھیے: محمد احمد حافظ، سفر حرمین، روزنامہ اسلام ۱۷ اگست ۲۰۱۴ء)

ہمارا عنوان تھا شِعبِ بنی ہاشم، زائد از ایک درجن مضبوط حوالے، بڑے مؤرخین کے جن میں مشہور شیعہ مؤرخین بھی شامل ہیں۔ سب نے کہا اس علاقے اور اس محلے کو شِعب بنی ہاشم کہتے ہیں۔ اب معلوم نہیں وہ کون سے مؤرخین ہیں۔ یا کون سے بڑے محدثین ہیں جنھوں نے یہ کہا ہو کہ یہ شعب بنی ہاشم نہیں شعب ابی طالب ہے۔ یہ نام کب اور کن مقاصد سے بدلا گیا۔ قدیم شیعہ مؤرخین بھی یہ نام نہیں لیتے۔ مگر برصغیر پاک و ہند میں (بقول حضرت حکیم الاُمّت تھانویؒ رفض کا پروپیگنڈہ غالب ہے) کسی ایک نے کہہ دیا ہو کہ نام وہ نہیں، یہ ہے۔ پھر اس نام کو اتنا بولا گیا کہ لکھی تاریخوں اور کتب سیرت پر غالب آ گیا۔

نجانے کتنا اندھیرا ہے چار سو تاہم
ترے کرم سے مرے گھر میں روشنی ہے ابھی

مآخذ: (۱) المُنمق (۲) اخبار مکہ (۳) ناسخ التواریخ (شیعہ) (۴) تاریخ یعقوبی (شیعہ) (۵) رسالت خاتم النبیین ﷺ (۶) العقد الفرید (۷) سیرت النبی از علامہ شبلی و سید سلیمان ندوی (۸) تاریخ خلیفہ ابن خیّاط (۹) سیرت لابن ہشام (۱۰) جامع اللطیف (۱۱) سیرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ از مولانا محمد نافع مدظلہٗ (۱۲) مُعجم البلدان (۱۳) روزنامہ اسلام، ۱۷، ۲۴ اگست ۲۰۱۴ء کالم محمد احمد حافظ۔

ارشادالرحمٰن

شہید ختمِ نبوت سیدنا حبیب بن زید رضی اللہ عنہما

سیدنا حبیب اور آپ کے والد زید بن عاصم رضی اللہ عنہم ان ستر بابرکت آدمیوں میں شامل تھے۔ جنھیں بیعت عقبہ ثانیہ کا شرف واعزاز حاصل ہے۔ آپ کی والدہ سیدہ نُسیبہ بنت کعب ان دو عورتوں میں سے ایک تھیں! یعنی آپ نسلی مسلمان تھے اور ایمان آپ کے رگ و پے میں اترا ہوا تھا۔ آپ نے ہجرت مدینہ کے بعد جوارِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اس طرح زندگی گزاری کہ کسی غزوہ میں شرکت اور کسی فرض کی ادائیگی سے کبھی پیچھے نہ رہے۔

اس دور میں ایک روز ایسا بھی آیا کہ آپ نے جنوبی جزیرہ عرب میں دو سر پھرے جھوٹوں کو دیکھا جو نبوت کا دعویٰ کرتے تھے اور لوگوں کو گمراہی کی طرف لیے جا رہے تھے۔ ان میں ایک صنعاء میں نمودار ہوا، جس کا نام اسود بن کعب عنسی تھا اور دوسرا یمامہ میں منظر پر آیا، اس کا نام مسیلمہ کذاب تھا۔ ان دونوں کذابوں نے اپنے اپنے قبیلوں میں لوگوں کو ان مؤمنین کے خلاف اکسانا اور بھڑکانا شروع کر دیا، جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہا تھا اور لوگوں کو ورغلانا شروع کر دیا کہ وہ ان علاقوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نمائندے ہیں۔ بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ گئے اور خود نبوت کے دعوے دار بن بیٹھے اور زمین کو فساد و گمراہی سے بھرنے لگے۔

اچانک ایک روز مسیلمہ کی طرف سے بھیجا ہوا ایک نمائندہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا جو مسیلمہ کا ایک خط لایا تھا جس میں مسیلمہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کیا تھا:

''مسیلمہ رسول اللہ کی طرف سے محمد رسول اللہ کی طرف! تم پر سلامتی ہو، امابعد! سن لیں کہ میں اس معاملے میں تمھارا شرکت دار ہوں۔ آدھی زمین ہماری ہوگی اور آدھی قریش کی، مگر قریش ایک ایسی قوم ہے جو ظلم کرتی ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیلمہ کے خط کا جواب ان الفاظ میں املا کرایا:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد رسول اللہ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کی طرف! سلام اسی شخص کے لیے جو ہدایت کی پیروی اختیار کرلے۔

امّا بعد! سن لو کہ زمین تو اللہ تعالیٰ کی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے۔ لیکن اچھا انجام متقین کا ہی ہوگا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ سپیدۂ سحر کی مانند نمودار ہوئے اور بنو حنیفہ کے کذاب کو رسوا کر کے چھوڑ گئے، جس نے نبوت کو بادشاہت سمجھ لیا تھا اور نصف زمین اور نصف رعایا کا مطالبہ کرنے لگا تھا۔

مسیلمہ کے ہرکارے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جواب مسیلمہ تک پہنچایا تو وہ مزید گمراہی میں پڑ گیا اور لوگوں کو مزید گمراہ کرنے لگا۔ یہ کذاب اپنا اِفک و بہتان پھیلانے لگا اور مؤمنوں کو دی جانے والی سزاؤں کو اس نے بڑھا

دیا۔لوگوں کو ان کے خلاف کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صورت حال میں اس کی طرف ایک خط بھیجنے کا فیصلہ کیا، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اس کی حماقتوں سے منع کرنا چاہتے تھے۔اس مقصد کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ انتخاب سیدنا حبیب بن زید رضی اللہ عنہ پر پڑی کہ آپ یہ مکتوب مسیلمہ تک پہنچائیں۔سیدنا حبیب رضی اللہ عنہ نے تیز قدمی سے سفر شروع کر دیا تا کہ اس مہم کو بخوشی سر کریں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نیت سے ان کو سونپی تھی کہ مسیلمہ کا دل حق کی طرف رہنمائی پا لے۔

سیدنا حبیب بن زید نے مطلوبہ مقام پر پہنچ کر خط مسیلمہ کے حوالے کر دیا۔مسیلمہ کذاب نے خط کھولا تو خط کے نور وضیاء نے اس کی آنکھیں اندھی کر دیں اور غرور وضلالت میں اور بڑھ گیا۔ادھر دین عظیم یعنی اسلام کے معیارات اور پیمانوں نے چاہا کہ عظمت وبطولت کے وہ دروس جو اس نے مکمل طور پر انسانیت کے سامنے پیش کر دیے ہیں ان کے اندر ایک نیا درس شامل کر دے، جس کا موضوع اور استاد اس بار ''سیدنا حبیب بن زید'' رضی اللہ عنہ ہوں۔

مسیلمہ ایک شعبدہ باز سے زیادہ کچھ نہ تھا۔وہ جگہ جگہ شعبدہ بازی کرنے والوں کی تمام تر عادات وخصائل اپنے اندر رکھتا تھا۔اس طرح اس کے اندر کوئی مروت نہ تھی، نہ عرب نسلیت اور نہ کوئی آدمیت جو اس کو اس پیغام رساں کے قتل سے باز رکھتی۔جس کا عرب بڑا احترام کرتے اور مقدس جانتے تھے۔مسیلمہ کذاب نے اپنی قوم کو ایک روز اکٹھے ہونا کا کہا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام رساں سیدنا حبیب بن زید رضی اللہ عنہ کو لایا گیا۔جن کے اوپر اس تشدد وتعذیب کے آثار دکھائی دے رہے تھے جو مجرموں نے ان کے اوپر توڑے تھے۔ان کا خیال تھا کہ اس طرح وہ سیدنا حبیب رضی اللہ عنہ کی روحِ شجاعت کو سلب کر لیں اور آپ لوگوں کے سامنے آئیں گے تو مطیع ہو چکے ہوں گے اور جب مسیلمہ پر ایمان لانے کے لیے کہا جائے گا تو فوراً ایمان لے آئیں گے۔کذاب اور مکار اس طریقے سے ذہن میں تیار کیا ہوا معجزہ اپنے فریب خوردہ پیروکاروں کے سامنے دکھانا چاہتا تھا۔

مسیلمہ نے سیدنا حبیب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا تم یہ شہادت دیتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں؟ سیدنا حبیب رضی اللہ عنہ جواب دیا: ''ہاں! میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔''

سیدنا حبیب رضی اللہ عنہ کے منہ سے یہ کلمات نکلے تو رسوائی اور ناکامی کی زردی نے مسیلمہ کا چہرہ زرد کر دیا اور اس نے پھر سوال کیا: ''تم یہ شہادت دیتے ہو کہ میں اللہ کہ رسول ہوں؟''

سیدنا حبیب رضی اللہ عنہ نے مضحکہ خیز انداز میں جواب دیا: ''میں تو کچھ سن ہی نہیں رہا۔''

اس جملے کے بعد کذاب کے چہرے کی زردی جل کر راکھ ہو جانے والے کوئلے کی سیاہی میں بدل گئی۔اس کی منصوبہ بندی ناکام ہوگئی اور اس کے تشدد نے بھی کوئی کام نہ دکھایا۔اسے ان لوگوں کے سامنے جن کو وہ اپنا معجزہ دکھانا چاہتا تھا ایسا زوردار طمانچہ پڑا کہ اس کی جعلی ہیبت ہوا ہوگئی۔وہ زخمی سانپ کی طرح پھنکارا اور اپنے اس جلاد کو آواز دی جو اپنی

تلوار کے دانتوں سے سیدنا حبیب رضی اللہ عنہ کے جسم کی بوٹی بوٹی کر ڈالنے والا تھا۔ اس نے جلاد سے کہا تلوار مار کر اس کے بدن کا ایک ٹکڑا اڑا دو۔ جلاد نے تلوار ماری اور سیدنا حبیب رضی اللہ عنہ کے بدن سے بوٹی اڑا کر رکھ دی۔

مسیلمہ نے پھر مخاطب ہو کر سیدنا حبیب رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد اللہ کے رسول ہیں؟''

سیدنا حبیب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''ہاں میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔''

مسیلمہ نے کہا: ''اور یہ بھی گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟''

سیدنا حبیب رضی اللہ عنہ بولے: ''میں نے تم سے کہا ہے کہ میرے کان وہ بات سننے سے قاصر ہیں جو تم کہتے ہو۔''

مسیلمہ نے جواب سنا تو جلاد کو حکم دیا کہ اس کے جسم کی اور بوٹی اڑا دو۔ جلاد نے فوراً تلوار ماری اور سیدنا حبیب رضی اللہ عنہ کی ایک اور بوٹی اڑا کر رکھ دی۔ لوگ آپ پر نظریں گاڑے حیرت وتعجب سے دیکھے جا رہے تھے کہ کس قدر عزیمت واستقامت ہے۔

مسیلمہ مسلسل اسی طرح سوال کرتا رہا اور جلاد آپ کے بدن کی بوٹیاں اڑاتا رہا اور آپ بھی مسلسل یہی جواب دیتے رہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اس مسلسل عمل سے آپ کے بدن کا آدھا حصہ کٹ کر ٹکڑوں کی صورت میں زمین پر بکھرا ہوا تھا اور آدھا دھڑ باقی رہ گیا تھا۔ بالآخر آپ کی پاکیزہ وعظیم روح پرواز کر گئی مگر زبان پر اسم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جاری تھا۔

اگر سیدنا حبیب رضی اللہ عنہ جان بچانے کی خاطر دل سے ایمان پر قائم رہتے ہوئے مسیلمہ کذاب کی ہم نوائی کر لیتے تو ان کے ایمان میں کوئی نقص واقع نہ ہوتا اور نہ ان کے اسلام کو کوئی نقصان پہنچتا۔ مگر یہ شخص جو اپنے والد، والدہ، بھائی اور خالہ کے ہمراہ بیعت عقبہ میں حاضر ہوا تھا اور جس نے ان مبارک اور فیصلہ کن لمحات سے ہی اپنی بیعت اور بے نقص ایمان کامل کی ذمہ داری اٹھا رکھی تھی اس کے نزدیک یہ جائز نہیں تھا کہ وہ اپنی زندگی اور آغاز اسلام کے درمیان ایک لمحہ کا بھی موازنہ کرتا اور زندگی کو اہم سمجھ کر اس کو بچانے کی راہ اختیار کرتا۔

لہٰذا ان کے پیش نظر یہ بات نہیں تھی کہ وہ اس واحد موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے زندگی کو بچا لیتے جس موقع پر ان کے ایمان کی تمام داستان، ثبات وعظمت، قربانی وبطولت اور راہ حق وہدایت میں جان قربان کر کے مرتبۂ شہادت پا لینے کے ایسے نمونے میں ڈھل گئی کہ قریب تھا کہ وہ اپنی حلاوت ودلکشی میں ہر کامیابی اور فتح ونصرت سے آگے نکل جاتی۔

ادھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے معزز پیغام رساں کی شہادت کا علم ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کے فیصلے پر صبر کیا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ نور بصیرت کی روشنی میں مسیلمہ کذاب کا انجام دیکھ رہے تھے اور ممکن تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس قتل کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ فرماتے۔

اِدھر سیدنا حبیب رضی اللہ عنہ کی والدہ جناب نُسیبہ بنت کعب نے لمبے عرصے تک اپنے دانتوں کو بھینچے رکھا پھر یہ قسم کھاتے ہوئے دانتوں کو کھولا کہ وہ خود مسیلمہ سے اپنے بیٹے کا انتقام لیں گی اور اس ناپاک کے جسم میں اپنا نیزہ اور تلوار

نقص ایمان کامل کی ذمہ داری اٹھا رکھی تھی اس کے نزدیک یہ جائز نہیں تھا کہ وہ اپنی زندگی اور آغاز اسلام کے درمیان ایک لمحہ کا بھی موازنہ کرتا اور زندگی کو اہم سمجھ کر اس کو بچانے کی راہ اختیار کرتا۔

لہٰذا ان کے پیش نظر یہ بات نہیں تھی کہ وہ اس واحد موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے زندگی کو بچا لیتے جس موقع پر ان کے ایمان کی تمام داستان، ثبات وعظمت، قربانی و بطولت اور راہ حق و ہدایت میں جان قربان کر کے مرتبۂ شہادت پالینے کے ایسے نمونے میں ڈھل گئی کہ قریب تھا کہ وہ اپنی حلاوت و دلکشی میں ہر کامیابی اور فتح ونصرت سے آگے نکل جاتی۔

ادھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے معزز پیغام رساں کی شہادت کا علم ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کے فیصلے پر صبر کیا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ نور بصیرت کی روشنی میں مسیلمہ کذاب کا انجام دیکھ رہے تھے اور ممکن تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس قتل کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ فرماتے۔

اِدھر سیدنا حبیب رضی اللہ عنہ کی والدہ جناب نُسیبہ بنت کعب نے لمبے عرصے تک اپنے دانتوں کو بھینچے رکھا پھر یہ قسم کھاتے ہوئے دانتوں کو کھولا کہ وہ خود مسیلمہ سے اپنے بیٹے کا انتقام لیں گی اور اس ناپاک کے جسم میں اپنا نیزہ اور تلوار گھسا کر رہیں گی۔ قدرت جو اس وقت ان کے صدمے، صبر اور تکلیف کو دیکھ رہی تھی، نہ معلوم اسے ان کی یہ ادا اس قدر پسند آئی کہ اس نے اس وقت یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ اس خاتون کے ساتھ رہے گی یہاں تک کہ وہ اپنی قسم پوری کر لے۔

کچھ وقت گزرا کہ وہ موقع آ گیا جس کے نقوش دائمی ہیں یعنی جنگ یمامہ کا موقع۔ خلیفۂ بلافصلِ رسول صلی اللہ

خطبات آغا شورش کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ

Mp4 DVD

۱۔	امت مذہب سے باغی کیوں؟	۱۹۶۳ء	لاہور	۱۱۔	تحریک ختم نبوت	——	راولپنڈی
۲۔	شرک کا سیاسی پس منظر	۱۹۶۴ء	لاہور	۱۲۔	عقیدۂ ختم نبوت	۱۹۷۳ء	فیصل آباد
۳۔	بھٹو کا دورِ حکومت	۱۹۷۰ء	دیپال پور	۱۳۔	مرزائیت ایک فتنہ	۱۹۷۳ء	راولپنڈی
۴۔	عصر حاضر کی سیاست	——	کوٹ ادّو	۱۴۔	ختم نبوت کانفرنس	۱۹۷۴ء	چنیوٹ
۵۔	احرار ختم نبوت کانفرنس	۱۹۷۰ء	راولپنڈی	۱۵۔	مرزائیت کیا ہے؟	——	گوجرانوالہ
۶۔	پاکستان کا سیاسی بحران	۱۹۷۰ء	ملتان	۱۶۔	مسئلہ ختم نبوت	——	سیالکوٹ
۷۔	پاکستانی سیاست	۱۹۷۰ء	مظفر گڑھ	۱۷۔	یوم اقبال	——	لاہور
۸۔	سیاسی حالات پر تبصرہ	۱۹۷۰ء	جتوئی	۱۸۔	یوم حمید نظامی	——	لاہور
۹۔	سیرت النبی ﷺ اور عصر حاضر	۱۹۷۱ء	فیصل آباد	۱۹۔	قادیانی سازشیں	——	فیصل آباد
۱۰۔	شکوہ جواب شکوہ	۱۹۷۱ء	فیصل آباد	۲۰۔	قادیانیت کا دجل	——	چنیوٹ

صدائے احرار
دار بنی ہاشم، مہربان کالونی، ملتان 061-4511961, 0300-8020384
دفتر مجلس احرار اسلام 69۔سی، حسین سٹریٹ، وحدت روڈ، نیو مسلم ٹاؤن لاہور 0300-4240910

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی

سیدنا الحکم رضی اللہ عنہ کی جلاوطنی کا قصہ

اکثر ارباب تاریخ وسیَر نے سیدنا حکم رضی اللہ عنہ کے حالات میں اس قصے کا ذکر کیا ہے۔ جس سے بعض علماءِ حق بھی متاثر ہو گئے ہیں اور انھوں نے بغیر تحقیق کے اسے اپنی کتابوں میں نقل کر دیا ہے۔

چنانچہ ممتاز عالم دین شارح بخاری، فاضل دارالعلوم دیوبند مولانا سید احمد رضا بجنوری لکھتے ہیں:

''مروان کا باپ حَکَم بھی بہت بدکردار تھا وہ حضور علیہ السلام کی ازواج مطہرات کے حجروں پر جاسوسی کیا کرتا تھا، ان میں وہ جھانکتا تھا اور راز کی خبریں لوگوں کو پہنچایا کرتا تھا، وہ حضور علیہ السلام کی نقلیں اتارتا تھا وغیرہ۔''

(انوار الباری شرح صحیح البخاری۔ جلد: ۱۷، ص: ۱۹۴)

اس ''فرد جرم'' سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا الحکم رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ''بدکرداری، جاسوسی، راز افشا کرنے اور نقلیں اتارنے'' کی وجہ سے مدینہ منورہ سے طائف کی طرف جلاوطن کر دیا۔

یہ ملحوظ رہے کہ سیدنا الحکم رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے حقیقی چچا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں مگر اس کے باوجود انھیں نہ صرف صحابیت کے مشروعہ ومطلوبہ ادب واحترام سے محروم رکھا گیا بلکہ ان کے خلاف اعدائے صحابہ کی وضع کردہ جھوٹی کہانیوں کو بھی صحیح سمجھ کر نقل کر دیا گیا۔

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ سیدنا حکم رضی اللہ عنہ کی جلاوطنی کا یہ سارا قصہ ''کوفی ٹکسال'' میں تیار ہوا ہے جو کسی بھی صحیح سند سے ثابت نہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کا یہ اہم ترین واقعہ اگر فی الواقع رونما ہوا ہے تو کسی صحابی نے اسے کیوں روایت نہیں کیا؟

حدیث کی کسی کتاب میں اس کا ذکر کیوں نہیں پایا جاتا؟ پھر معلوم نہیں کہ ہشام کلبی اور واقدی جیسے دروغ گو راویوں پر اعتماد کر کے نہایت ہی تیقن کے ساتھ اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کیوں منسوب کر دیا گیا؟

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ (م: ۷۲۸ھ) روافض کے اس طعن کے جواب میں فرماتے ہیں:

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اَنَّ النَّبِيَّ صلّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسلَّمَ نفى أباه اِلَى الطَّائفِ وَ كَثِيْرٌ مِّنْ أَهْلِ الْعِلْمِ ينكر ذَالِكَ وَ يَقُوْلُ اَنَّهُ ذهب باختيارهٖ و أَنَّ نفيه لَيْسَ لَهُ اِسْنَادٌ..... (منہاج السنۃ، الجزء الثالث، ص: ۱۹۸)

ترجمہ: اور لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان (یعنی مروانؒ) کے والد کو طائف کی طرف نکال دیا تھا، اکثر اہلِ علم اس قصے کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ اپنے اختیار اور مرضی سے طائف گئے تھے۔ نیز اس قصے کی کوئی سند بھی نہیں ہے۔

موصوف اس قصے کے متعلق ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

وَ قَدْ طَعَنَ كَثِيْرٌ مِّنْ أَهْلِ الْعِلْمِ فِيْ نَفْيِهِ وَقَالُوْا هُوَ ذَهَبَ بِاخْتِيَارِهِ. وَقِصَّةُ نَفْيِ الْحَكَمِ لَيْسَتْ فِي الصِّحَاحِ وَلَا لَهَا اِسْنَادٌ يُعْرَفُ بِهِ اَمْرُهَا..... وَأَمَّا قِصَّةُ الْحَكَمِ فَعَامَّةُ مَنْ ذَكَرَهَا اِنَّمَا ذَكَرَهَا مُرْسَلَةً وَقَدْ ذَكَرَهَا الْمُؤَرِّخُوْنَ الَّذِيْنَ يُكْثِرُ الْكِذْبَ فِيْمَا يَرْوُنَهُ وَ قَلَّ أَنْ يَّسْلَمَ لَهُمْ نَقْلُهُمْ مِّنَ الزِّيَادَةِ وَالنُّقْصَانِ فَلَمْ يَكُنْ هُنَا لِكَ نَقْلٌ ثَابِتٌ يُوْجِبُ الْقَدْحَ..... لَا يَثْبُتُ أِسْنَادُهُ وَلَا يُعْرَفُ كَيْفَ وَقَعَ وَ يُجْعَلُ لِعُثْمَانَ ذَنْبٌ بِأَمْرٍ لَا يُعْرَفُ حَقِيْقَتُهُ بَلْ مَثَلُ هٰذَا مَثَلُ الَّذِيْنَ يُحَارِضُوْنَ الْمُحْكَمَ بِالْمُتَشَابِهِ وَ هٰذَا مِنْ فِعْلِ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ. اَلَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْفِتْنَةَ وَلَا رَيْبَ أَنَّ الرَّافِضَةَ مِنْ شِرَارِ الزَّائِغِيْنَ الَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْفِتْنَةَ الَّذِيْنَ ذَمَّهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ. (منہاج السنۃ، الجزء الثالث، ص:۱۹۶۔۱۹۷)

ترجمہ: ''اکثر اہل علم نے سیدنا حکم رضی اللہ عنہ کی جلاوطنی کے بارہ میں طعن کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ خود اپنے طور پر طائف گئے تھے (ان کو نکالا نہیں گیا تھا) پھر یہ قصہ نہ صحاح میں ہے اور نہ ہی اس کی کوئی سند ہے جس کے ذریعے اس کی حقیقت معلوم کی جا سکے۔

حکم رضی اللہ عنہ کی جلاوطنی کے قصے کو جس نے بھی ذکر کیا ہے اس نے بطریق مرسل ذکر کیا ہے۔ اس کے ناقل بھی وہ مؤرخین ہیں جن کے ہاں جھوٹ کی کثرت ہے اور جن کی نقل کردہ روایت کمی بیشی سے کم ہی محفوظ رہتی ہے۔ بنابریں اس قصہ کی کوئی ایسی صحیح نقل نہیں ہے جس کی بنا پر کسی کی قدح کی جا سکے۔

جب اس کی سند اور حقیقت ہی کا علم نہیں تو پھر ایک امر مشتبہ کی بنا پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو کیوں کر قصوروار ٹھہرایا جا سکتا ہے؟ ایسا تو صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو محکم کے مقابلے میں متشابہ پر مدارِ استدلال رکھتے ہیں اور ایسا وہ لوگ کرتے ہیں جن کے دلوں میں کجی ہے اور جو فتنوں کے متلاشی اور طلب گار ہیں۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ رافضی ان شریر گمراہوں میں سے ہیں جو فتنے کھڑے کرتے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جن کی مذمت اللہ اور اس کے رسول نے کی ہے۔''

حضرت شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ اسی بحث میں آگے چل کر مزید لکھتے ہیں:

وَقَدْ ذَكَرَ غَيْرُ وَاحِدٍ مِّنْ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّ نَفْيَ الْحَكَمِ بَاطِلٌ فَإِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَنْفِهِ اِلَى الطَّائِفِ بَلْ هُوَ ذَهَبَ بِنَفْسِهِ وَذَكَرَ بَعْضُ النَّاسِ أَنَّهُ نَفَاهُ وَلَمْ يَذْكُرُوْا أِسْنَاداً صَحِيْحاً بِكَيْفِيَّةِ الْقِصَّةِ وَسَبَبِهَا. (حوالہ مذکور، ص:۲۳۵)

ترجمہ: ''بہت سے اہلِ علم نے ذکر کیا ہے کہ سیدنا حکم رضی اللہ عنہ کی جلاوطنی کا قصہ باطل ہے۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں طائف کی طرف جلاوطن نہیں کیا تھا بلکہ وہ از خود اپنی مرضی سے گئے تھے۔

اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں جلاوطن کیا تھا لیکن اس واقعہ کی کیفیت اور سبب مرحوم کرنے کے لیے وہ کوئی صحیح سند ذکر نہیں کرتے۔''

امام ذہبی (م:۷۴۸ھ) نے ان روایات پر تنقید کرتے ہوئے ان کی عدمِ صحت کا حکم لگایا ہے۔ چنانچہ وہ امام

ابن تیمیہ کے مؤقف کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَ قِصَّةُ نَفْيِ الْحَكَمِ لَيْسَتْ فِي الصِّحَاحِ وَلَا لَهَا إِسْنَادٌ يُعْرَفُ بِهِ أَمْرُهَا.

ترجمہ: ''اور حکم (بن ابی العاص) کی جلاوطنی کا قصہ صحاح میں موجود نہیں ہے اور نہ ہی اس کی کوئی سند ہے جن کے ذریعے اس قصہ کے بارے میں حقیقتِ حال معلوم ہو سکے۔

(المنتقیٰ۔الفصل الثالث،ص:۳۹۵۔تحت ''التحقیق فی نفی الحکم واطلاقہ'')

علاوہ ازیں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اربابِ سِیَر اور مؤرخین کے نزدیک بالاتفاق سیدنا حکم رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے موقع پر مشرف بہ اسلام ہوئے تھے اور خلافتِ عثمانی کے قیام تک مکہ اور گردونواح ہی میں قیام پذیر رہے جب کہ معترضین وناقدین کے نزدیک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں مدینہ منورہ سے جلاوطن کیا تھا۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا سیدنا حکم رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کرنے کے بعد مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تھی؟

کیا ان پر ارشادِ نبوی ''لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ'' کا اطلاق نہیں ہوتا تھا؟

مزید برآں ناقدین کے دعویٰ کے مطابق سیدنا حکم رضی اللہ عنہ کا تعلق طبقۂ ''طلقاء'' سے تھا اور یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ''طلقاء'' میں سے کسی نے ہجرت نہیں کی تھی۔

''فَإِنَّ الطُّلَقَاءَ لَيْسَ فِيهِمْ مَنْ هَاجَرَ''

اور نہ ہی کسی روایت میں سیدنا حکم رضی اللہ عنہ کی ہجرتِ مدینہ کا کوئی ذکر ملتا ہے۔البتہ سیدنا صفوان بن اُمیّہ فتح مکہ کے بعد ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تھے لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں واپس مکہ مکرمہ بھیج دیا تھا۔

(ملاحظہ ہو: منہاج السنۃ، الجزء الثالث،ص:۱۹۶)

اگر بالفرض سیدنا حکم رضی اللہ عنہ نے بھی ہجرت کی ہوتی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا صفوان رضی اللہ عنہ کی طرح انہیں بھی مکہ مکرمہ واپس بھیج دیتے۔

پھر ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ سیدنا حکم رضی اللہ عنہ کو ''طائف'' کی طرف کیوں جلاوطن کیا گیا؟ کیا ''طائف'' سزا یافتہ لوگوں کا مسکن ہے؟

''طائف'' تو اچھی آب وہوا اور زرخیزی وشادابی کی بنا پر زمانہ قدیم سے اہل مکہ کا گرمائی مقام رہا ہے۔دیگر سردارانِ قریش کی طرح سیدنا حکم رضی اللہ عنہ کا بھی طائف میں ذاتی مکان تھا، جہاں وہ بالخصوص موسم گرما گزارنے کے لیے تشریف لے جایا کرتے تھے جس سے ''یارلوگوں'' نے جلاوطنی کا قصہ گھڑ لیا۔

جب سیدنا حکم رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرنے کے بعد مدینہ منورہ گئے ہی نہیں تو پھر وہاں سے ان کے جلاوطن کر دیے جانے کا سوال کس طرح پیدا ہو سکتا ہے؟

اس اعتبار سے بھی جلاوطنی کا یہ قصہ سید احمد رضا بجنوری صاحب کے بیان کردہ ''محرکات'' (بدکرداری، جاسوسی

کرنے، راز افشا کرنے، نقلیں اتارنے اور حجراتِ ازواج مطہرات میں تانک جھانک) سمیت باطل، لغو اور جھوٹا ہے۔

فتح مکہ کے بعد جب کہ اسلام کی قوت وشوکت کے سامنے سارا عرب سرنگوں ہو گیا تھا اور قبائل عرب بھی جوق در جوق اسلام میں داخل ہو رہے تھے، کسی نومسلم کا مرکزِ اسلام مدینہ منورہ میں ایسی جرأت کا مسلسل مظاہرہ کرتے رہنا کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمسخر کرے، ان کی نقلیں اتارے، ان کے راز افشا کرے اور ازواج مطہرات کے حجروں میں تاک جھانک کرے، یقیناً بعید از قیاس اور خلافِ عقل ہے جسے حضرت بجنوری صاحب وامثالہ کے علاوہ کوئی بھی تسلیم نہیں کر سکتا۔

اس قصے کے لغو اور باطل ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ ان سے اگر بالفرض اس قسم کی حرکات سرزد ہوئی ہوتیں، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے سے پہلے جاں نثارانِ مصطفیٰ خود ہی انھیں کیفرِ کردار تک پہنچا دیتے۔ اگر بالفرض محال یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ سیدنا حکم رضی اللہ عنہ سے مدینہ منورہ میں مذکورہ ناشائستہ حرکات کا صدور ہوا تھا تو پھر سوال یہ ہے کہ ان حرکات سے کہیں بڑھ کر بڑے بڑے جرائم کے مرتکب عبداللہ بن اُبی اور دیگر منافقین کو بھی کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی جلاوطنی کی سزا دی تھی؟

جو حضرات قصداً وعمداً ان حرکات کی نسبت سیدنا حکم رضی اللہ عنہ کی طرف کر رہے ہیں، انھوں نے اتنا بھی نہ سوچا کہ وہ اس لغو اور باطل قصے کو نقل کر کے ایک صحابی ہی کی پوزیشن داغ دار نہیں کر رہے ہیں بلکہ اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے حدیث نبوی ''مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّداً فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ'' کے بھی مصداق بن رہے ہیں۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ سیدنا حکم رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کرنے کے بعد نہ تو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی اور نہ ہی ناشائستہ حرکات کی بنا پر انھیں مدینہ منورہ بدر کر کے طائف بھیجا گیا۔

جلاوطنی کے سلسلہ میں ایک یہ روایت بھی گھڑی گئی ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنے محاصرہ کے وقت جب یہ معلوم ہوا کہ بلوائیوں کا ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حَکَم کو جلاوطن کر دیا تھا اور عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی جلاوطنی ختم کر کے حکمِ رسول کی مخالفت کی تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں فرمایا:

''أَنَّ الْحَكَمَ كَانَ مَكِياً فَسَيَّرَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُ اِلَى الطَّائِفِ ثُمَّ رَدَّهُ اِلٰى بِلَدِهٖ فَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَيَّرَهُ بِذَنْبِهٖ وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَدَّهُ بِعَفْوِهٖ.....أَكَذَالِكَ؟ قَالُوْا اَللّٰهُمَّ نَعَمْ.

(تاریخ الطبری، جلد: سوم، جز: پنجم، تحت ۳۵ھ۔ ص: ۱۰۳، ۱۳۵)

ترجمہ: ''حکم (بن ابی العاص) مکہ کے رہنے والے تھے۔ انھیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے طائف کی طرف جلاوطن کر کے بھیج دیا، پھر خود ہی اپنے شہر واپس بلا لیا۔ پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی کسی غلطی کی وجہ سے پہلے انھیں جلاوطن کیا پھر خود ہی معاف فرما کر ان کی جلاوطنی ختم کر دی (تو پھر مجھ پر اعتراض کیسا؟) کیا اسی طرح نہیں ہوا؟ تو سب

بلوائیں نے اعتراف کیا کہ ہاں ایسے ہی ہوا۔''

اس روایت سے معلوم ہوا کہ بلوائیوں نے اس بات کا اقرار کرلیا تھا کہ حکم کو خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی واپس بلایا تھا مگر علامہ خالد محمود صاحب اس کی یہ وجہ بیان فرماتے ہیں کہ:

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تو اس (مروان) کے باپ حکم کو بھی مدینہ منورہ واپس آنے کی اجازت دے دی کیونکہ اب وہ اس قدر بوڑھا اور ناکارہ ہو چکا تھا کہ اس سے کسی سازش کا امکان باقی نہ رہا تھا۔ انھوں نے اجتہاد سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو مُعَلَّلٌ بِعِلَّتٌ سمجھا اور جب وہ علّت اور سبب جاتے رہے تو انھوں نے اسے واپس آنے کی اجازت دے دی۔'' (عبقات، ص:۲۴۳)

علاّمہ صاحب کی مستدل یہ روایت بھی ''بناء فاسد علی الفاسد'' کی مصداق اور موضوع ہے۔ لیکن انھوں نے سیدنا حکم رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو لہجہ اور انداز اختیار کیا ہے کہ ''وہ اس قدر بوڑھا اور ناکارہ ہو چکا تھا کہ اس سے کسی سازش کا امکان باقی نہ رہا تھا۔'' یقیناً ایک صحابی کے شایانِ شان نہیں ہے بلکہ ان کی توہین ہے۔

حافظ ابن کثیر نے بھی اس واقعہ کا ذکر کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی انھیں طائف کی طرف جلاوطن کیا تھا اور پھر خود ہی واپس بھی بلالیا۔ (ملاحظہ ہو: البدایہ والنہایہ، الجزء السابع، ص:۱۷۱۔ تحت ۳۵ھ)

ابن جریر طبری اور ابن کثیر کی بیان کردہ کہانی سے بھی یہ معلوم ہو رہا ہے کہ سیدنا حکم رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ نہیں گئے تھے۔ وہ مکّی تھے اور انھیں مکہ سے ہی جلاوطن کیا گیا تھا۔

اس روایت کی رو سے جہاں مدینہ منوّرہ سے جلاوطن کیے جانے کا واقعہ غلط ثابت ہوا تو وہیں جلاوطنی کے محرکات (بدکرداری، سازش، راز افشائی اور ازواجِ مطہرات کے حجرات میں تانک جھانک) کا بھی رد ہو گیا۔

اگر علی سبیلِ التَّنَزُّل مکہ سے طائف کی طرف جلاوطنی کے قصہ کو درست تسلیم کرلیا جائے تو پھر سوال یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں نہ تو منافق رہائش پذیر تھے جن تک راز پہنچائے گئے، نہ اُمّہات المؤمنین کے حجرے تھے جن میں سیدنا حکم رضی اللہ عنہ جھانکا کرتے تھے اور نہ ہی وہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نقلیں اتارنے کا کوئی موقع تھا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے بعد صرف حجۃ الوداع کے موقع پر ۱۰ھ میں ۴/ذی الحج کو مکہ تشریف لائے تھے اور ۱۴/ذی الحج کو مکہ، منیٰ، عرفات اور مزدلفہ میں دس دن قیام کرنے کے بعد واپس مدینہ منورہ روانہ ہو گئے تھے۔ تو سوال یہ ہے کہ اپنے اس قیام کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کب اور کس قصور کی بناء پر جلاوطن کیا اور کب معافی دے کر انھیں واپس مدینہ بلایا؟

یہ ملحوظ رہے کہ سیدنا حکم رضی اللہ عنہ نے بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں یہ حج ادا کیا تھا۔ اگر اس موقع پر اس طرح کا کوئی واقعہ رونما ہوا ہوتا تو جلاوطنی کا قصہ کسی موضوع روایت سے نہیں بلکہ ''خبر متواتر'' سے ثابت ہو جاتا۔

سیدنا حکم رضی اللہ عنہ کی مکہ مکرمہ سے جلاوطنی کا سوال اس لیے بھی پیدا نہیں ہوتا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

فتح مکہ کے بعد سیدنا عتاب بن اسید بن ابی العیص بن امیہ کو مکہ مکرمہ کا گورنر بنا دیا تھا جو عہدِ صدیقی میں بھی اسی عہدے پر برقرار رہے۔ سیدنا ابوبکر اور سیدنا عتاب بن اسید کی وفات ایک ہی دن ہوئی۔ لہٰذا اپنے خاندانی اقتدار کے عروج میں اپنے ''محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم'' کے خلاف ناشائستہ حرکات کا ارتکاب سیدنا حکم رضی اللہ عنہ جیسے رئیس قریش سے کیوں کر ممکن ہے؟ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ بلوائیوں نے ذی قعدہ ۳۵ھ میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کر کے دیگر اعتراضات کے ساتھ ساتھ اس مفروضہ جلاوطنی کا معاملہ بھی اٹھایا اور بالآخر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے جواب سے مطمئن ہو گئے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ سیدنا حکم رضی اللہ عنہ ۳۲ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پا چکے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس سے پہلے ہی وہ مدینہ منورہ میں آئے ہوں گے۔ سوال یہ ہے کہ اس وقت اہل مدینہ نے یہ احتجاج کیوں نہ کیا کہ ''معتوب'' باپ بیٹے کو کیوں اجازت دی گئی؟ چار سال بعد ۳۵ھ میں محاصرہ عثمانی کے وقت اس مسئلہ کو چھیڑنے کی کیا تک ہے؟

اس کے علاوہ مدینہ منورہ یا مکہ مکرمہ سے طائف کی طرف جلاوطنی بھی بعید از فہم ہے۔ کیونکہ طائف ایک صحت افزا مقام ہونے کے علاوہ قریش کا گرمائی مرکز تھا جہاں بالخصوص موسم گرما میں وہ قیام کرتے تھے۔

پھر اس پر ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیا سیدنا حکم رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ناشائستہ حرکات (جن کی بنا پر جلاوطنی کی سزا دی گئی تھی) ناقابلِ معافی تھیں جن کی وجہ سے ان کے لیے دائمی سزا تجویز کی گئی؟ کیا اسلامی شریعت میں اس قسم کی کوئی مثال پائی جاتی ہے؟

امام ابن حزم اس اشکال کے جواب میں فرماتے ہیں:

حدِ واجب کے طور پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی کو جلاوطن کرنا ثابت نہیں ہے اور نہ ہی یہ کوئی ابدی قانون ہے بلکہ یہ صرف کسی ایسے گناہ گار کی تعزیر ہو سکتی ہے جو جلاوطنی کا حق رکھتا ہے۔ پھر اس کے ساتھ توبہ کا دروازہ بھی کھلا ہوا ہے۔ جب کوئی گناہ گار توبہ کر لے تو اس سے تعزیر ساقط ہو جاتی ہے اور اس میں کسی مسلمان کا اختلاف نہیں ہے اور تمام زمین رہائش کے لیے مباح ہو جاتی ہے۔'' (الفصل فی الملل والاھواء والنحل۔ جلد:۴، ص:۱۵۴)

اس تفصیل سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ سیدنا حَکَم رضی اللہ عنہ کی جلاوطنی کا پورا قصہ از اوّل تا آخر مدینہ سے ہو یا مکہ سے اپنے محرکات سمیت کوفی ٹکسال میں سبائیوں کا تراشیدہ اور وضع کردہ ہے جو روایتاً اور درایتاً غلط، باطل، سراپا کذب ودروغ، بے اصل و بے بنیاد اور ہر ہر اعتبار سے دشمنانِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی کارستانی ہے۔

اس مؤقف پر ایک کمزور ترین اشکال یہ ہو سکتا ہے کہ جب اکثر مؤرخین اور ارباب سِیَر نے اس قصے کا ذکر کیا ہے تو کہیں نہ کہیں تو اس کی کچھ نہ کچھ بنیاد ضرور ہو گی تو اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ اوّل تو جن حضرات نے تضادات سے پُر اس قصے کو بیان کیا ہے تو اصولِ روایت ودرایت کے اعتبار سے وہ قصہ لغو، باطل اور جھوٹا قرار پاتا ہے۔ البتہ اس امکان کو رد نہیں کیا جا سکتا کہ حالتِ کفر میں جب سیدنا حَکَم رضی اللہ عنہ اپنے بھتیجے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر اسلام قبول کرنے کی وجہ سے سختی کرتے تھے تو اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی ناشائستہ باتیں سرزد ہو گئی ہوں جنھیں بنیاد بنا کر

دشمنانِ صحابہ نے جلاوطنی کا قصہ گھڑ لیا ہو تو اس سلسلے میں اسلام کا بنیادی اور عام اصول یہ ہے کہ:

''اِنَّ الْاِسْلَامَ یَھْدِمُ مَا کَانَ قَبْلَهٗ ''یعنی اسلام پہلے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔لیکن ستم بالائے ستم یہ کہ خاندان بنواُمیّہ کو اس اسلامی قانون سے بھی مستثنیٰ سمجھا گیا اور زبردست پروپیگنڈے کے ذریعے سے یہ بات ذہنوں میں بٹھا دی گئی کہ ان کے زمانۂ کفر کی برائیاں بعد میں جوں کی توں قائم رہیں، ان کا ایمان نفاق پر قائم تھا، انھوں نے مجبور ہو کر اسلام قبول کیا اور بعد میں بھی یہ لوگ اسلام کے خلاف سازشیں ہی کرتے رہے۔

الغرض نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نہاد نام لیواؤں نے اُموی صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف الزامات و اتہامات کی ایک طویل فہرست تیار کر دی اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے معاف کر دینے کے باوجود ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نہیں بخشا گیا جن میں سیدنا عثمان، سیدنا ابوسفیان، سیدنا معاویہ، سیدنا حَکَم اور سیدنا مروان رضی اللہ عنہم خصوصیت کے ساتھ شامل ہیں۔

مولانا سید احمد رضا بجنوری و امثالہ نے سیدنا حَکَم رضی اللہ عنہ کے ساتھ پورے خاندان میں سے صرف سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کی جلاوطنی کا بھی ذکر کیا ہے۔ وہ اگرچہ باپ کی طرح بیٹے کی ناشائستہ حرکات سامنے نہیں لا سکے لیکن انوار الباری کے اسی مقام سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا مروان کا اس وقت سب سے بڑا جرم سیدنا حکم رضی اللہ عنہ کا بیٹا ہونا تھا۔ کیونکہ موصوف نے ''لَعَنَ اللّٰهُ الْحَکَمَ و مَا وَلَد'' کی حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے جلاوطنی کے وقت سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کی عمر کی بھی تصریح کر دی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ:

''مروان اس وقت سات آٹھ برس کا تھا اور وہ بھی اس کے ساتھ طائف میں رہا..... مروان کے اس پس منظر کو نگاہ میں رکھا جائے تو یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے کہ اس کا سیکرٹری کے منصب پر مقرر کیا جانا لوگوں کو کسی طرح گوارا نہ ہوسکتا تھا..... لیکن یہ مان لینا لوگوں کے لیے سخت مشکل تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی معتوب شخص کا بیٹا اس بات کا بھی اہل ہے کہ تمام اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کو چھوڑ کر اسے خلیفہ کا سیکرٹری بنا دیا جائے خصوصاً جب کہ اس کا وہ معتوب باپ زندہ موجود تھا اور بیٹے کے ذریعے حکومت کے کاموں پر اثر انداز ہوسکتا تھا۔'' (خلافت وملوکیت، ص: ۱۱۰، ۱۱۱)

مولانا مودودی نے ''جلاوطنی'' کے وقت سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کی عمر سات، آٹھ برس تسلیم کر کے ان کی صحابیت پر مہرِ تصدیق ثبت کر دی ہے (سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کی صحابیت پر مستقل مضمون آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں) اب ان کے لیے ان کی صحابیت سے انکار کی گنجائش ختم ہوگئی ہے۔ کیونکہ جب اس سے بھی کم عمر بچوں کو صحابہ کی فہرست میں شامل کر لیا گیا ہے تو پھر سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کو صحابہ کے زمرے سے کیوں کر خارج کیا جاسکتا ہے؟

سیدنا حَکَم رضی اللہ عنہ کی مفروضہ جلاوطنی کی حقیقت تو گزشتہ صفحات میں واضح کر دی گئی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اس ''مفروضہ'' جلاوطنی کے ''مکذوبہ'' قصے میں سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کا کیا قصور ہے؟ ان کے والد کے حوالے سے تو ان

کے ''ناشائستہ افعال'' کا ذکر کر دیا جاتا ہے لیکن بتایا جائے کہ سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کو (باقی تمام افرادِ خاندان کو چھوڑ کر) کس جرم کی پاداش میں جلاوطن کیا گیا تھا؟ باپ کے جرم کی بنا پر بھلا بیٹا کس طرح ''مجرم'' قرار دیا جا سکتا ہے؟ پھر انھیں ''ابنِ معتوب'' کہنے سے کس طبقے کی خوشنودی مقصود ہے؟

سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کی عمر ۷/۸ برس لکھ کر یہ حقیقت بھی تسلیم کر لی گئی کہ وہ اس وقت مرفوع القلم اور نابالغ بچے تھے۔ لہٰذا جلاوطنی کے لیے انھیں خطا کار ثابت کرنا اور برائیوں کا مرتکب قرار دینا کیا انتہائی بھونڈی حرکت اور شریعت سے جہالت نہیں ہے؟ بغیر کسی جرم کے ۷/۸ سالہ بچے کو جلاوطن کرنے کا الزام خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ''بہتانِ عظیم'' ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو بچوں پر رحم وشفقت کا حکم دیا ہے نہ کہ ان پر غضب کرنے اور ملک بدر کرنے کا۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ) لکھتے ہیں:

''وَمَرْوَانُ اِبْنُهُ كَانَ صَغِيْراً اِذْ ذَاكَ فَاِنَّهُ مِنْ أَقْرَانِ ابْنِ الزُّبَيْرِ وَالْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ عُمْرَهُ حِيْنَ الْفَتْحِ سِنُّ التَّمَيُّزِ اَمَّا سَبْعُ سِنِيْنَ أَوْ اَكْثَرُ بِقَلِيْلٍ أَوْ اَقَلُّ بِقَلِيْلٍ فَلَمْ يَكُنْ لِمَرْوَانَ ذَنْبٌ يُطْرَدُ عَلَيْهِ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ لَمْ تَكُنِ الطُّلَقَاءُ تَسْكُنُ بِالْمَدِيْنَةِ فِي حَيَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (منہاج السنۃ، الجزء الثالث، ص: ۱۹۵۔ طبع بیروت)

ترجمہ: سیدنا حکم رضی اللہ عنہ کے بیٹے سیدنا مروان رضی اللہ عنہ جلاوطنی کے وقت چھوٹے تھے، کیونکہ وہ عبداللہ بن زبیر اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہم کے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ فتح مکہ کے وقت وہ سن شعور کو پہنچ چکے تھے۔ ان کی عمر اس وقت سات سال یا اس سے کچھ زیادہ تھی یا کچھ کم ہی کم تھی۔ لہٰذا ان کا کوئی گناہ ایسا ہو نہیں سکتا کہ انھیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جلاوطن کیا جاتا اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں ''طلقاء'' مدینہ میں رہائش رکھتے تھے۔

مولانا مودودی نے کس خوبصورتی کے ساتھ باپ کی ''مفروضہ'' خطاؤں کو بیٹے کے سر منڈھ دیا ہے کہ

''لوگوں کے لیے یہ مان لینا سخت مشکل تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی معتوب شخص کا بیٹا بھی اس بات کا اہل ہے کہ.....''

اگر بالفرض محال اس بات کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ سیدنا حَکَم رضی اللہ عنہ کے ناشائستہ افعال کی بنا پر باپ بیٹے کو مدینہ بدر کیا گیا تھا تو اس میں بھلا بیٹا کس اصول کی رو سے ''قصوروار'' ٹھہرایا جا سکتا ہے؟

مودودی صاحب کے اس خود ساختہ اصول کی رو سے تو پھر کسی صحابی کی عزت بھی محفوظ نہیں رہ سکتی اور اکثر صحابہ کو ''نااہل'' قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ صحابہ کے کسی نہ کسی رشتہ دار سے تو خطائیں یقیناً سرزد ہوئی ہیں۔

اگر باپ کے جرم کی وجہ سے بیٹے کو بھی مستحق سزا یا قابل ملامت قرار دے دیا جائے تو کیا رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی ابن سلول کے جرائم کی وجہ سے اس کے مخلص بیٹے سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بھی ''قصوروار'' ٹھہرایا جا سکتا ہے؟ کیا ابوجہل کے جرائم کی بنا پر اس کے صحابی اور مجاہد بیٹے سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ ''ابن معتوب'' کہلا سکتے ہیں؟ اگر نہیں اور یقیناً

نہیں تو پھر سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کو ''ابن معتوب'' کیوں کہا گیا ہے؟ جب کہ ان کے والد سیدنا حکم رضی اللہ عنہ خود بھی (عبداللہ بن اُبی اور ابوجہل کے برعکس) مسلمان اور صحابی تھے۔

سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کی تو یہ عظیم سعادت ہے کہ ان کی پرورش اور تربیت سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہم کے ''ادوارِ خلافت راشدہ'' میں خالص اسلامی ماحول اور ایک پاکیزہ معاشرے میں ہوئی تھی۔

اس تفصیل سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ سیدنا حکم اور سیدنا مروان رضی اللہ عنہما کی مدینہ منوّرہ یا مکہ مکرمہ سے طائف کی طرف جلاوطنی کا پورا قصہ ہی سراپا کذب و دروغ، من گھڑت، بے اصل، بے بنیاد، لغو، باطل اور سبائیوں کا وضع کردہ ہے۔

لہٰذا اس کی رو سے باپ بیٹے (سیدنا مروان بن حکم رضی اللہ عنہما صحابی ابن صحابی) کو ''قصوروار، خطاکار اور معتوب ابن معتوب'' ہرگز قرار نہیں دیا جاسکتا۔

اسی طرح سیدنا حکم رضی اللہ عنہ کو ''بدکردار'' کہنا اور ان پر یہ گھناؤنے الزامات عائد کرنا کہ وہ:

''حضور علیہ السلام کی ازواج مطہرات کے حجروں پر جاسوسی کیا کرتا تھا، ان میں وہ جھانکتا تھا اور راز کی خبریں لوگوں (یعنی منافقین) کو پہنچایا کرتا تھا اور وہ حضور علیہ السلام کی نقلیں اتارا کرتا تھا وغیرہ۔''

یہ اسلوب اور انداز نہ صرف یہ کہ ایک صحابی کی شدید ترین توہین پر مبنی ہے بلکہ تمام تر الزامات ''اِفْکٌ مُّبِیْنٌ وَ بُھْتَانٌ عَظِیْم'' ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اُمّہات المؤمنین کی ایذا کا باعث ہیں۔

کاش سید احمد رضا بجنوری صاحب ''مروان رضی اللہ عنہ دشمنی'' میں ان بے ہودہ الزامات کو صحیح بخاری کی شرح ''انوار البخاری'' میں نقل کر کے ان پر مہرِ تصدیق ثبت نہ فرماتے۔

☆......☆......☆

ابومروان معاویہ واجد علی ہاشمی

سیدنا حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ

سبطِ رسول، جگر گوشۂ بتول، سوارِ دوشِ رسول، ریحانۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ابن علی، شبیہِ مصطفیٰ، پیکر جود وسخا۔ مملکت صلح کا عظیم تاجدار، عرشِ خلافت کا مسند نشین، فتنہ وفساد کو توڑنے والا، بشارتِ نبوی کی تکمیل کرنے والا، ملّتِ اسلامیہ کا محسنِ عظیم۔ خامس خلیفۂ راشد ابومحمد سیدنا حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ۱۵ر رمضان ۳ھ کی شب مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی والدہ سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اور والد ہم نسب وعم زاد رسول، فاتحِ خیبر، شہنشاہِ فقر وولایت، یکے از عشرہ مبشرہ، خلیفۂ رابع عادل وراشد وبرحق امیر المؤمنین خسر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، ابوتراب سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تھے۔

امام ذہبی نے سیر اعلام النبلا جلد ۳ صفحہ: ۱۶۶ پر نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی پیدائش پر خود سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے اور ان کان میں اذان کہی۔ پھر آپ نے اپنے لعاب دہن سے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو گھٹی دی (البدایہ والنہایہ، جلد: ۸، ص: ۳۳) گھر والوں نے نام حرب رکھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن نام رکھا۔ ولادت کے ساتویں روز بحکم رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سر کے بال اتروائے گئے۔ پھر ان بالوں کے برابر چاندی خیرات کی۔ (الاستیعاب، جلد: ۱، ص: ۳۶۸) ولادت کے ساتویں روز دو بکریاں عقیقہ کے لیے ذبح کیں۔ شیعوں کے نزدیک شیخ ابی جعفر محمد بن حسن الطّوسی المتوفی ۴۶۰ھ، جو کہ تہذیب الاحکام، الاستبصار، تلخیص الشافی وغیرہ اصول اربعہ کی کتب کا مصنف ومؤلف ہے۔ اس نے کتاب امالی جلد: ۱، صفحہ: ۳۸ پر اور ملا باقر مجلسی نے جلاء العیون ص: ۱۲۰ باب تزویج امیر المؤمنین وفاطمہ مطبوعہ تہران میں یہ مسئلہ درج کیا ہے کہ ابوبکر صدیق وعمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما نے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی طلب گاری کے لیے آمادہ کر کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روانہ کیا۔ جب یہ شادی طے پا گئی تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی کے سامان اور جہیز کی تیاری میں صدیقی اور عثمانی خدمات کی تفصیل شیعہ معتبر کتب میں دیکھیے۔ (امالی شیخ طوسی، جلد: ۱، مطبوعہ جدید نجف اشرف۔ ۲: جلاء العیون فارسی، ص: ۱۲۶۔۳: کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ، جلد: ۱، ص: ۴۸۶، ۴۸۵، طبع تہران، مناقب الاخطب خوارزم فصل عشرون، ص: ۲۵۳)

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی مجلس میں حضرت ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم کا شامل ہونا اور نکاح کا گواہ بننا اور پھر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی کے انتظامات میں حضرت عائشہ اور اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہما کی خدمات مثلاً اس مکان کی صفائی، لپائی، بستر کے گدے تیار کرنا اور اُن کی بھرائی کرنا، پینے کے لیے میٹھے پانی کا انتظام کرنا، مکان میں کھونٹیوں کا نصب کرنا، یہ تمام کارکردگی حضرت عائشہ واُمّ سلمہ رضی اللہ عنہما کے ہاتھوں مکمل ہوئی۔

(دیکھیے: کتاب مناقب خوارزمی، ص: ۲۵۴، امالی طوسی، جلد: ۱، ص: ۴۰، مطبوعہ عراق۔ ابن ماجہ: کتاب النکاح، باب الولیمہ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیٹی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بڑی محبت فرماتے تھے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ

عنہا کی زندگی میں ہی آپ کی تین سگی بہنیں سیدہ زینب ۸ھ، سیدہ اُمّ کلثوم ۹ھ، سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہن ۲ھ انتقال فرما گئیں تھیں۔ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری اولاد میں صرف سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی باقی تھیں۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام تر محبتوں کا مرکز بھی صرف یہی رہ گئیں۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: فاطمہ میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے، جو چیز اسے ایذا دیتی ہے وہ مجھے بھی ایذا دیتی ہے۔ (فتح الباری، جلد: ۷، ص: ۶۹)

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چھے ماہ بعد پیر کے دن ۳/ رمضان ۱۱ھ کو ہوئی۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو وصیت کی کہ میری بھانجی بڑی بہن زینب کی بیٹی سیدہ اُمامہ بنت ابوالعاص سے عقد کر لیں۔ کیونکہ وہ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما سے قریبی رشتہ داری کی وجہ سے بہتر برتاؤ کریں گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور سیدہ اُمامہ رضی اللہ عنہا نے یہ ذمہ داری احسن طریقہ سے پوری کی۔ سیدہ اُمامہ رضی اللہ عنہا سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک فرزند محمد الاوسط پیدا ہوئے۔

سیدنا حسن اور خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ متفقہ طور پر مسلمانوں کے خلیفہ بنے۔ وہ اپنے عہدِ خلافت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں نواسوں کی بہت قدر دانی کرتے تھے۔ امام ابن کثیر نے لکھا ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی عزت وتکریم کرتے تھے اور اُن کے ساتھ محبت کرتے، اُن پر فدا ہوتے تھے۔ اور ایسا ہونا بھی چاہیے تھا، چنانچہ بخاری، البدایہ والنہایہ، جلد: ۸، ص: ۳۳، طبرانی، مستدرک حاکم، جلد: ۳، ص: ۱۶۸، یعقوبی، جلد: ۲، ص: ۱۷ اوغیرہ میں یہ روایت موجود ہے کہ ایک صحابی عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہمیں عصر کی نماز پڑھائی اور مسجد نبوی سے باہر تشریف لائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اُن کے ساتھ تھے۔ سامنے حضرت حسن رضی اللہ عنہ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بچوں کے پاس سے گزرے تو آپ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو پکڑ کر اپنے کندھے پر بٹھالیا اور فرمانے لگے یہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم شکل ہے اپنے باپ علی رضی اللہ عنہ کے مشابہ نہیں ہے۔

خلافت فاروقی اور سیدنا حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ:

جس طرح ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حسنین کریمین رضی اللہ عنہ سے محبت وعقیدت تھی۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بھی خاندانِ علوی کے ساتھ محبت اور عقیدت کا یہ سلسلہ اسی طرح جاری رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی لختِ جگر سیدہ اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہ جو سیدہ فاطمۃ الزاہرا رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھیں کا نکاح سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ اس رشتے کی وجہ سے حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کا سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے گھر میں بے تکلف آنا جانا تھا۔ اس نکاح کا ذکر شیعہ سُنّی دونوں کی کتابوں میں موجود ہے۔ (بخاری، ص: ۴۰۳۔ مستدرک حاکم، جلد: ۳، ص: ۱۴۳۔ کتاب المعارف، ص: ۹۲۔ جمہرۃ الانساب، ص: ۳۷۔ نسب قریش، ص: ۴۱۔ طبری، جلد: ۳، ص: ۱۶۸ و ۲۴۰۔

البدایہ والنہایہ، جلد:۸،ص:۳۳۲۔الاستیعاب۔الاصابہ، جلد:۴،ص:۴۹۲۔)

(شیعہ کتب: فروع کافی، جلد:۲،ص:۳۸ نولکشور۔الاستبصار، جلد:۳،ص:۳۵۳ طبع جدید ایران۔تہذیب الاحکام، جلد:۹، کتاب الفرائض والمواریث،ص:۳۶۳۔مجالس المؤمنین،ص:۴۵۱۔مناقب شہر آشوب، جلد:۱،ص:۲۷۵ طبع بیروت، وغیرہم)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کا وظیفہ بدری صحابہ کے برابر مقرر فرمایا، مالی حقوق میں خاندان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا پورا خیال رکھتے۔ مال غنائم میں سے ان کو حصہ دیتے، خُمس عراق سے وظائف وعطیات دیتے، مال غنائم میں کچھ کپڑا آیا، آپ نے سب تقسیم فرمادیا اور یمن سے حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے لیے خصوصی کپڑا منگایا اور ان کو دیا۔ حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رشتہ داری اور تعلقات خاندانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور خاندان علوی کے ساتھ بہت مستحکم تھے۔انساب سِیَر اور تاریخ کی کتب میں ان کی تفصیل طویل ہے، یہاں مختصراً تذکرہ کیا گیا۔

خلافتِ عثمانی میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی خدمات:

خلافتِ صدیقی وفاروقی میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کمسنی کے باعث کسی اہم دینی کام اور ملّی امور میں زیادہ تر حصہ نہیں لے سکے، عہدِ عثمانی میں یہ حضرات دورِ شباب میں داخل ہو چکے تھے۔ چنانچہ خلافتِ عثمانی میں ان کی عملی زندگی کا آغاز ہوتا ہے، دیگر صحابہ کی طرح خلافت عثمانی میں حضرات حسنین بھی دینی اور ملّی امور میں شریک ہوتے تھے۔ جہادِ اسلامی اور جنگی مواقع پر معاون و مددگار ہوتے تھے۔ خلافتِ عثمانی میں فتوحات کا دائرہ افریقہ تک پھیل چکا تھا۔ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما نے ۲۶ھ میں جہاد طرابلس وافریقہ میں حصہ لیا، ۳۱ھ میں خراسان، طبرستان اور جرجان کے جنگی محاذوں پر دادِ شجاعت دی اور بھرپور حصہ لیا۔ ابن خلدون نے ۲۷ھ کے جہاد اسلامی میں بھی ان کی شرکت کا تذکرہ کیا ہے۔

سبائی بغاوت کا مقابلہ:

جب مصر، کوفہ اور بصرہ کے سبائیوں نے قصرِ خلافت کا محاصرہ کیا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں بیٹوں کو اور اپنے غلام قنبر کو امیر المؤمنین سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی حفاظت اور مدافعت کے لیے مکانِ عثمان کے باہر کئی روز تک متعین کیے رکھا۔

(البدایہ والنہایہ، جلد:۸،ص:۱۸۱۔انساب الاشراف بلاذری، جلد:۵،ص:۶۹۔شرح نہج البلاغہ ابن الحدید، جلد:۱،ص:۱۹۷)

سبائیوں کی شدید سنگ باری سے سیدنا حسین ابن علی رضی اللہ عنہما، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما، مروان بن حکم رضی اللہ عنہما شدید زخمی ہوئے اور پھر ان باغی سبائیوں نے دوہرے دامادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، خالوئے حسنین کریمین رضی اللہ عنہما مظلوم شہید مدینہ، ناشرِ قرآن، امیر المؤمنین سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو بڑی بے دردی سے شہید کیا تو تدفین میں خاندانِ علوی نے شرکت کی اور نمازِ جنازہ ادا کی۔

خلافتِ علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ:

حضرتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت خلافت کرنے کا تقاضا کیا گیا، آپ نے پہلے انکار کیا بعد میں اسے قبول کرلیا۔ حالات انتہائی کشیدہ تھے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے والد محترم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشورہ

دیا کہ جب تک خلافتِ اسلامیہ کے لوگ آپ سے بیعت نہ کریں آپ بیعت نہ لیں، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس مشورے کو قبول نہ کیا۔ چنانچہ قصاص عثمان رضی اللہ عنہ پر اختلاف پیدا ہوگیا اور متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہ کی۔ اور یہ خلیج سبائیوں کی سازش سے اتنی گہری ہوگئی کہ جمل اور صفین میں کئی ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم کا مقدس خون بھی اسے نہ بھر سکا۔ سبائی اپنی سازش میں کامیاب رہے اور سیدنا علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کا پورا دورِ خلافت سبائیوں کی سازشوں کے لیے سازگار رہا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی آخر ان سازشوں کو بھانپ گئے اور صفین میں آپ نے اعلان کیا کہ قاتلانِ عثمان میرے لشکر سے الگ ہو جائیں۔ سبائیوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی قتل کرنے کا ارادہ کیا، مگر عبداللہ ابن سبا نے انھیں منع کیا اور کہا کہ تمھاری بقا اسی میں ہے کہ دونوں لشکروں میں گھلے ملے رہو۔ بالآخر ۱۷ رمضان ۴۰ھ کی شب کو خارجی سبائیوں نے تین افراد کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ شام میں سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، مصر میں عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور کوفہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ کیا گیا۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اُس روز بیمار تھے فجر کی نماز پر انھوں نے خارجہ بن خدیفہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا، عمرو بن برک نے اُنھیں شہید کر دیا۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اس قاتلانہ حملے میں بچ گئے، قاتل پکڑا گیا۔ عبدالرحمٰن ابن ملجم نے نماز فجر میں جاتے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ پر تلوار سے حملہ کیا، جس میں آپ شدید زخمی ہوگئے۔ آپ سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت کے لیے پوچھا گیا، آپ نے نہ روکا اور نہ حکم دیا۔ جمل اور صفین میں جو حالات آئے تھے اس پر سیدنا علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کو سخت افسوس تھا، چنانچہ ۳۶ھ میں سبائیوں کی سازش سے حادثۂ جمل واقع ہوا۔ جس میں عشرہ مبشرہ سیدنا طلحہ اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہما شہید ہوئے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی لاش کے جب قریب آئے تو حسن مجتبٰی رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ: کاش تیرا باپ اس واقعہ سے بیس سال پہلے مر گیا ہوتا۔ فرزند حسن مجتبٰی رضی اللہ عنہ نے عرض کی ابا جان میں نے آپ کو روکا تھا اور مدینہ چھوڑتے وقت بھی میں نے مخالفت کی تھی (تاریخِ اسلام، علامہ ذہبی، جلد:۲، ص:۱۵۱)

قاتلانہ حملہ میں جب آپ شدید زخمی ہوئے اپنے سب بیٹوں وصیتیں کیں، سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو خاص وصیت فرمائی کہ بیٹا میری وفات کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لینا۔ اگر تم نے اُن کو اپنے ہاتھوں سے کھو دیا تو پھر اُمّت میں ایسا اختلاف وانتشار واقع ہوگا جس کے تلخ ترین نتائج ہوگئے۔

(البدایہ والنہایہ، جلد:۸۔ ابن اثیر، جلد:۳، ص:۳۷۔ ازالۃ الخفاء، جلد:۲، ص:۲۸۳)

سبائی تبرائی طبقہ صحابہ رضی اللہ عنہم پر جنازہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہ پڑھنے کا بے بنیاد الزام لگاتا ہے۔ شیخ مفید کے حوالہ سے اصول کافی، جلد:۱، ص:۴۵۷ پر ایک روایت موجود ہے کہ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما اپنے والد کو دفن کر کے واپس آ رہے تھے تو راستہ میں انھیں شیعوں کی ایک جماعت ملی جنھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ میں شرکت نہ کی تھی۔

خلافتِ حسن مجتبٰی رضی اللہ عنہ:

رمضان ۴۰ھ کو کوفہ کی جامع مسجد میں آپ کی بیعتِ خلافت ہوئی۔ آپ کی بیعت کے بعد چند ماہ تو حالات پرسکون رہے لیکن سبائی شر پسندوں نے ایسے حالات بنا ڈالے کہ مسلمانوں کا جمل اور صفین کے بعد پھر ٹکراؤ ہو، آپ قتال

المسلمین کے خلاف تھے۔آپ انتہائی غیرت مند دلیر اور شہسوار تھے لیکن آپ کو بصیرت و دانائی کا بھی بہت بڑا حصہ حاصل تھا چنانچہ آپ سبائیوں کی تمام سازشوں سے واقف تھے۔

ملا باقر مجلسی نے جلاء العیون، حصہ اوّل، ص:۳۷۹ پر سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو وصیت نقل کی ہے۔حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بتحقیق ایک روز مجھے امیر المؤمنین نے شاد وخرم دیکھ کر فرمایا: اے حسن (رضی اللہ عنہ) تم خوشی کرتے ہو، اس وقت تمھارا کیا حال ہوگا جب اپنے باپ کو زخمی دیکھو گے، بلکہ اس وقت تمھارا حال کیا ہوگا جس وقت خلافت بنواُمیّہ میں پہنچے گی۔اسی طرح بخاری کتاب الصلح میں فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

اِنَّ ابْنِی هَذَا سَیِّدٌ وَ لَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ یُّصْلِحَ بِهٖ بَیْنَ فَئَتَیْنِ عَظِیْمَتَیْنِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ.

کہ میرا یہ بیٹا سید ہے، اُمید رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو جماعتوں کے درمیان صلح کرادے گا۔

اپنے والد محترم کی وصیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشگوئی کو مدنظر رکھتے ہوئے اور سبائیوں کے رویے سے تنگ آ کر آپ نے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرنے کا ارادہ کرلیا۔کوفہ میں یہ صلح ناممکن تھی۔کیونکہ کوفہ سبائیوں کا مرکز تھا لہٰذا کوفہ سے باہر ہی یہ صلح ممکن تھی۔چنانچہ بظاہر آپ لشکر لے کر مدائن کی طرف نکلے، آپ نے اپنے تمام اصحاب کو اکٹھا کر کے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں اپنا عندیہ نپے تلے انداز میں ظاہر کیا، تقریر ختم ہوئی تو آپ کے لشکری ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ خدا کی قسم ہمارا گمان ہے کہ یہ معاویہ (رضی اللہ عنہ) سے صلح اور امر خلافت اس کے سپرد کرنا چاہتے ہیں۔سبائی کہنے لگے کہ خدا کی قسم یہ مرد کافر ہوگیا ہے.....پھر وہ آپ کے خیمہ پر ٹوٹ پڑے اور اسے لوٹ لیا، آپ رضی اللہ عنہ کے نیچے جو مصلیٰ تھا اسے کھینچ لیا.....آپ کے کندھے سے چادر اتار لی، آپ کی لونڈی کے پاؤں سے خلخال اتار لی، زہر آلود خنجر سے آپ کے زانو کو زخم لگایا۔آپ کو اٹھا کر چارپائی پر مدائن کے گورنر سعد بن مسعود ثقفی کے گھر لے گئے، یہ مختار ثقفی کا چچا تھا۔مختار اپنے چچا سعد کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ آؤ حسن رضی اللہ عنہ کو معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کردیں تا کہ وہ عراق کی گورنری ہمیں دے دے.....(احسن المقال، جلد:۱، ص:۳۰۰۔تذکرۃ الاطہار، ص:۲۷۹)

آپ نے اہلِ کوفہ کی فریب کاری دھوکہ بازی اور دجل وفریب اور مکاری و بے وفائی سے تنگ آ کر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح پر آمادگی ظاہر کردی۔ربیع الاوّل ۴۱ھ کو ایک تحریری معاہدہ ہوا جس کی مندرجہ ذیل شرائط تھیں۔

۱۔ ہمارے کسی حمایتی پر سختی نہ کی جائے۔

۲۔ بصرہ کا موجودہ خزانہ مجھے دے دیا جائے۔

۳۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جاری کردہ صوبہ اہواز کی سابقہ آمدنی حسب سابق تاحیات ہمیں ملتی رہے۔

۴۔ بنوہاشم کو بنواُمیّہ پر معاملات میں ترجیح دی جائے۔

۵۔ میرے اور ہمارے والد کے دور کے تمام رفقاء کو ملکی معاملات میں مساوی حقوق دیے جائیں۔

۶۔ میرے بھائی حسین رضی اللہ عنہ کو بیس لاکھ سالانہ دیے جائیں۔

اس صلح نامہ پر دونوں فریقین نے دستخط کر دیے۔اس صلح کے بعد حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بعت خلافت کی۔اہلِ کوفہ آپ کے سخت مخالف ہو گئے،آپ سے انتہائی بدتمیزی اور گستاخی سے پیش آتے،آپ کے صلح کے فعل کو مؤمنین (یعنی سبائیوں کے لیے) شرم وذلت کا باعث قرار دینے لگے۔

فتح الباری،جلد:۱۳،ص:۵۵۔البدایہ،جلد:۸،ص:۴۱۔تاریخ الخلفاء،ص:۹۱۔تاریخ اسلام،جلد:۲،ص:۲۰۸ پر لکھا ہے:**فکان اصحاب الحسن یقولون له یا عار المؤمنین.** اے مؤمنوں کے لیے شرم اور عار کا باعث۔آپ جواب میں فرماتے:**العار خیر من النار.** یہ شرم اور عار جہنم کی آگ سے بہتر ہے۔کبھی کہتے مؤمنوں کا منہ سیا کرنے والے اور کبھی کہتے **السلام علیکم یا مذل المؤمنین.** السلام علیکم اے مؤمنوں کو ذلیل کرنے والے۔

(تفصیل دیکھیے: جلاء العیون،ص:۳۲۴۔اخبار الطّوال،ص:۲۲۱۔ابن عساکر،جلد:۷،ص:۳۵)

کسی نے اعتراض کیا کہ آپ ہر طرح خلافت کے حق دار تھے پھر کیوں دستبردار ہوئے؟ فرمایا:''میں نے دنیا کو اچھا نہ جانا اور کوفہ کے رہنے والے ایسے لوگ ہیں جن کے قول وعمل کا اعتبار نہیں۔ان پر جس نے اعتبار کیا اس نے خرابی دیکھی،نہ ان کا آپس میں اتفاق ہے،نہ ان میں استقلال ہے،نہ کار خیر پر قائم رہتے ہیں نہ کار بد پر۔متلون مزاج ہیں،جیسی ہوا ہو ویسا ہی رخ اختیار کر لیتے ہیں۔ان کی نیتیں بری ہیں۔والد محترم نے بھی کوفہ والوں سے بڑے بڑے صدمے اٹھائے۔''

ایک موقع پر آپ نے اپنے لشکریوں سے یوں فرمایا:

''مجھے فریب دیا جس طرح تم نے مجھ سے بہتر کو فریب دیا اور نہیں معلوم میرے بعد تم لوگ کس امام سے مقاتلہ کرو گے۔'' (جلاء العیون،حصہ اوّل،ص:۳۶۸)

زید بن وہب جہنی سے زخمی ہونے کے بعد آپ نے فرمایا:

''قسم بخدا!اس جماعت سے میرے لیے معاویہ رضی اللہ عنہ بہتر ہے،یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم شیعہ ہیں۔میرا ارادہ قتل کیا،میرا مال لوٹ لیا.....قسم بخدا!اگر میں معاویہ رضی اللہ عنہ سے جنگ کروں یہی لوگ مجھے اپنے ہاتھ سے پکڑ کے معاویہ رضی اللہ عنہ کو دے دیں.....'' (احتجاج طبرسی،جلد:۲،ص:۳۴۳)

خلافت کے بوجھ سے سبکدوش ہونے کے بعد آپ مدینہ منوّرہ تشریف لے گئے اور بقیہ زندگی روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوس میں بسر کی۔آپ کی مدت خلافت چھے ماہ پانچ دن ہے۔آپ ۲۱ رمضان کو مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے اور ربیع الآخر ۴۱ھ کو خلافت سے دستبردار ہو گئے۔۴۹ھ میں مدینۃ الرسول میں چالیس روز صاحب فراش رہ کے اس دارِ فانی سے دارِ باقی کو رحلت فرما گئے۔(تاریخ خمیس،جلد:۶،ص:۳۴۶)

بعض مؤرخین جن میں مسعودی پہلا شخص ہے جس نے لکھا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ آپ کو زہر دلوایا تھا،جس سے آپ کی وفات ہوئی۔یہ ایک منقطع روایت ہے،اس کی نہ تو کوئی حیثیت ہے اور نہ اس پر کوئی شرعی شہادت ہے۔ابن خلدون نے جلد:۲،ص:۱۱۳۹ پر جعدہ بنت اشعث کے ذریعے زہر دلوانے کی نفی کی ہے اور اسے شیعہ حضرات کی روایات میں کہا ہے۔قدیم

مؤرخین نے زہر خوانی کی روایت کا سرے سے تذکرہ ہی نہیں کیا اور جن مؤرخین نے ذکر کیا ہے انھوں نے بھی بغیر کسی راوی کے نام لیے صرف قیل یا یُقال کے الفاظ سے اس کا تذکرہ کیا ہے اور ایسے الفاظ ضعیف روایت پر دلالت کرتے ہیں۔ یہ روایت یعقوبی، مسعودی، الاستیعاب، اسد الغابہ، الاصابہ، تہذیب التہذیب، البدایہ، ابن اثیر میں منقول ہے۔ ان تمام میں یہی الفاظ موجود ہیں کہ لوگ کہتے ہیں، بعض لوگوں کا خیال ہے، کہا جاتا ہے وغیرہ۔ ان سے مراد کون لوگ ہیں، راوی کون ہے؟ یہ پتہ ہی نہیں چلتا۔ یعقوبی نے شیعہ ہونے کے باوجود زہر دینے والے کا نام نہیں لکھا۔ علامہ ابن جوزی نے بھی زہر کا ذکر نہیں کیا۔ علامہ الدمیری نے حیات الحیوان میں بھی بیماری کا ذکر کیا ہے۔ ابن خلدون، ابن تیمیہ، ابن کثیر، شیعہ مؤرخ الدینوری نے زہر والے واقعہ کا انکار کیا ہے۔

آپ چالیس روز بیمار رہے، ۵/ربیع الاوّل ۴۹ھ یا ۵۰ھ مطابق فروری ۶۶۹ء کو آپ نے انتقال فرمایا۔ آپ کی نماز جنازہ اُموی گورنر سیدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ نماز جنازہ پڑھانے کی یہ روایت البدایہ، جلد: ۸، ص: ۴۴، الاستیعاب، جلد: ۱، ص: ۳۷۳، سنن کبریٰ اور بیہقی میں بھی موجود ہے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ پر کثرت ازواج اور کثرت سے طلاق دینے کا الزام بھی ہے۔ ابن الحدید نے ۷۰ ازواج اور نور الابصار میں ۹۰ ازواج کا ذکر کیا ہے۔ قوت القلوب میں یہ تعداد ۲۵۰ اور ۳۰۰ تک پہنچا دی گئی ہے (نقوش عصمت، ص: ۲۱۸) یہ تمام روایات مبالغہ آرائی سے خالی نہیں۔ اوراق تاریخ دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے مختلف اوقات میں نو عورتوں سے نکاح کیے، جن میں سے بارہ بیٹے اور پانچ بیٹیاں تھیں اور بعض روایات میں بیس بیٹے بھی بیان کیے گئے ہیں۔ شیخ مفید نے الارشاد میں آپ کی اولاد کی تعداد پندرہ بیان کی ہے۔

ازواج واولاد:

زید بن حسن، اُمّ الحسن، اُمّ الحسین، ان تینوں کی والدہ اُمّ بشیر بنت ابی مسعود عقبہ بن عمر بن ثعلبہ خزرجیہ ہیں۔ حسن بن حسن (حسن مثنیٰ) ان کی والدہ خولہ بنت منظور فزاریہ ہیں۔ عمرو، قاسم، عبداللہ، ان کی ماں اُمّ ولد ہیں۔ عبدالرحمٰن اس کی ماں اُمّ ولد (لونڈی) ہیں۔ حسین اثرم، طلحہ، اور فاطمہ ان تینوں کی ماں اُمّ اسحاق بنت طلحہ بن عبیداللہ عشرہ مبشرہ ہیں۔ اُمّ عبداللہ، فاطمہ، اُمّ سلمہ اور رقیہ یہ بیٹیاں مختلف ماؤں سے تھیں۔ (ارشاد، ص: ۲۸۵)

مؤرخین کا اولاد حسن کی تعداد میں اختلاف ہے، واقدی اور قلبی نے پندرہ بیٹے، آٹھ بیٹیاں، ابن جوزی نے سولہ بیٹے اور چار بیٹیاں، ابن شہر آشوب نے پندرہ بیٹے اور چھے بیٹیاں ذکر کی ہیں۔ باقی کتب سے بیس بیٹے اور گیارہ بیٹیاں بیان کی گئی ہیں۔ علی اکبر، علی اصغر، عبداللہ، اکبر جعفر، احمد، اسمٰعیل، یعقوب، محمد اکبر، محمد اصغر، حمزہ، ابوبکر، سُکینہ، اُمّ الخیر اُمّ عبدالرحمٰن اور رملہ نام بھی ذکر کیے گئے ہیں۔ (منتہی الآمال، جلد: ۱، چھٹی فصل، ص: ۳۱۷)

علامہ ابن حزم نے اپنی مشہور کتاب جمہرۃ الانساب میں اولاد حسن رضی اللہ عنہ کے تحت مندرجہ ذیل نام دیے ہیں:

۱۔ سیدنا حسن بن حسن (مثنیٰ) ماں خولہ بنت منظور فزاریہ۔ ۲۔ زید بن حسن ان کی ماں اُمّ بشیر بنت ابی مسعود انصاری۔ ۳۔ عمرو۔ ۴ حسین۔ ۵۔ قاسم۔ ۶۔ ابوبکر۔ ۷۔ طلحہ ان کی والدہ اُمّ اسحاق بنت طلحہ بن عبیداللہ۔ ۸۔ عبدالرحمٰن۔

۹۔عبداللہ۔۱۰۔محمد۔۱۱۔جعفر۔۱۲۔حمزہ۔ یہ مختلف لونڈیوں سے تھے۔عبداللہ، قاسم، اور ابوبکر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے۔(جمہرۃ الانساب، ص:۳۹۔۳۸)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد کی مجموعی تعداد جو کربلا کے سفر میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تھی، آٹھ ہے۔(منتہی الآمال، جلد:۱، ص:۳۲۰)

آپ کی ازواج کی تعداد نو ہے۔(۱) اُمّ کلثوم بنت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ (۲) فاطمہ اُمّ بشیر بنت ابی مسعود بن عقبہ خزرجی (۳) خولہ بنت منظور فزاریہ (۴) اُمّ اسحاق بنت طلحہ رضی اللہ عنہ بن عبیداللہ تیمی (۵) جعدہ بنت اشعث اور چار لونڈیوں سے آپ کی اولاد ہے۔جس کی تفصیل اوپر بیان کی جا چکی ہے۔

زید بن حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کا یہ آپ کے سب سے بڑے بیٹے ہیں۔ یہ بڑے جلیل القدر اور شریف الطبع تھے، نوّے سال تک زندہ رہے۔۱۲۰ھ میں وفات پائی۔مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام حاجز پر وفات پائی۔زید کی بیوی لُبابہ بنت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جو کہ پہلے عباس بن علی المرتضی کی بیوی تھیں۔ جب وہ کربلا میں شہید ہو گئے تو زید نے لُبابہ سے شادی کر لی، دو بچے ہوئے۔(۱) حسن (۲) نفیسہ۔حسن بن زید اسی سال تک زندہ رہے۔ان کے آٹھ بیٹے تھے۔ سب سے بڑے قاسم تھے۔نفیسہ بنت زید جو کہ سیدنا حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی پوتی ہیں ان کی شادی خاندانِ بنواُمیّہ میں ولید بن عبدالملک بن سیدنا مروان رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔

حسن بن حسن رضی اللہ عنہ (حسن مثنیٰ)

متوفی ۹۷ھ پینتیس برس کی عمر میں وفات پائی۔ان کی ماں خولہ بنت منظور فزاریہ ہیں۔حسن مثنیٰ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے داماد تھے۔ فاطمہ بنت حسین رضی اللہ سے شادی ہوئی، کربلا میں موجود تھے، شدید زخمی ہوئے۔اسماء بنت خارجہ فزاری جو اِن کی والدہ خولہ کی رشتہ دار تھیں نے عمرو بن سعد رضی اللہ عنہ کے حکم سے حسن مثنیٰ کا علاج کیا۔صحت یاب ہونے پر مدینہ روانہ کر دیا۔(منتہی الآمال، ص:۳۱۹) ان کی اولاد میں (۱) عبداللہ (۲) ابراہیم (۳) حسن مثلث (۴) زینب (۵) اُمّ کلثوم، ان کی ماں فاطمہ بنت حسین رضی اللہ عنہ ہیں (۶) داؤد (۷) جعفر اُمّ ولد سے تھے (۸) محمد ان کی ماں رملہ ہے (۹) رقیہ (۱۰) فاطمہ (۱۱) اُمّ قاسم (۱۲) حمادہ (۱۳) مُلیکہ

زینب بنت حسن مثنیٰ کی شادی عبدالملک بن مروان رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔(منتہی الآمال، جلد:۱، ص:۳۳۰۔جمہرۃ الانساب، ص:۴۲) فاطمہ بنت حسن مثنیٰ کا نکاح معاویہ بن عبداللہ بن جعفر طیار سے ہوا، جس سے یزید، حماد، صالح اور حسین پیدا ہوئے جو کہ عبداللہ بن جعفر کے پوتے تھے۔(منتہی الآمال، جلد:۱، ص:۳۳۰) اُمّ قاسم بنت حسن مثنیٰ کا نکاح سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پوتے مروان بن ابان بن عثمان سے ہوا۔(جمہرۃ الانساب، ص:۴۲، نسب قریش، ص:۵۳۔کتاب المحبر، ص:۴۸۰)

حمادہ بنت حسن مثنیٰ کی شادی سیدنا مروان بن حکم رضی اللہ عنہما کے بھتیجے کے بیٹے سے ہوئی۔مُلیکہ بنت حسن مثنیٰ کی شادی جعفر بن مصعب بن زبیر سے ہوئی۔(نسب قریش، جز ثانی، ص:۵۳)

نغمہ پروین

عورتوں کے حقوق سیرتِ نبوی کی روشنی میں

تاریخ گواہ ہے کہ ایک عرصۂ دراز سے عورت مظلوم چلی آ رہی تھی۔ یونان میں، مصر میں، عراق میں، ہند میں، چین میں، غرض ہر قوم میں، ہر خطہ میں کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں عورتوں پر ظلم کے پہاڑ نہ ٹوٹے ہوں۔ لوگ اسے اپنے عیش وعشرت کی غرض سے خرید وفروخت کرتے ان کے ساتھ حیوانوں سے بھی بُرا سلوک کیا جاتا تھا، حتیٰ کہ اہلِ عرب عورت کے وجود کو موجبِ عار سمجھتے تھے اور لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ ہندوستان میں شوہر کی چتا پر اس کی بیوہ کو جلایا جاتا تھا۔ واہیانہ مذاہب عورت کو گناہ کا سرچشمہ اور معصیت کا دروازہ اور پاپ کا مجسم سمجھتے تھے۔ اس سے تعلق رکھنا روحانی ترقی کی راہ میں رکاوٹ سمجھتے تھے۔ دنیا کے زیادہ تر تہذیبوں میں اس کی سماجی حیثیت نہیں تھی۔ اسے حقیر وذلیل نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ اس کے معاشی وسیاسی حقوق نہیں تھے، وہ آزادانہ طریقے سے کوئی لین دین نہیں کر سکتی تھی۔ وہ باپ کی پھر شوہر کی اور اس کے بعد اولادِ نرینہ کی تابع اور محکوم تھی۔ اس کی کوئی اپنی مرضی نہیں تھی اور نہ ہی اسے کسی پر کوئی اقتدار حاصل تھا، یہاں تک کہ اسے فریاد کرنے کا بھی حق حاصل نہیں تھا۔

اس میں کوئی شک بھی نہیں کہ بعض مرتبہ عورت کے ہاتھ میں زمام اقتدار بھی رہی ہے اور اس کے اشارے پر حکومت وسلطنت گردش کرتی رہی ہے، یوں تو خاندان اور طبقے پر اس کا غلبہ تھا، لیکن بعض مسائل پر مرد بھی ایک عورت کو بالادستی حاصل رہی، اب بھی ایسے قبائل موجود ہیں، جہاں عورتوں کا بول بالا ہے لیکن ایک عورت کی حیثیت سے ان کے حالات میں زیادہ فرق نہیں آیا، ان کے حقوق پر دست درازی جاری ہی رہی اور وہ مظلوم کی مظلوم ہی رہی۔ (۱)

لیکن اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس نے عورت پر احسان عظیم کیا اور اس کو ذلت وپستی کے گڑھوں سے نکالا جب کہ وہ اس کی انتہا کو پہنچ چکی تھی، اس کے وجود کو گوارا کرنے سے بھی انکار کیا جا رہا تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین بن کر تشریف لائے اور آپ نے پوری انسانیت کو اس آگ کی لپیٹ سے بچایا اور عورت کو بھی اس گڑھے سے نکالا۔ اور اس زندہ دفن کرنے والی عورت کو بے پناہ حقوق عطا فرمائے اور قومی وملّی زندگی میں عورتوں کی کیا اہمیت ہے، اس کو سامنے رکھ کر اس کی فطرت کے مطابق اس کو ذمہ داریاں سونپیں۔

مغربی تہذیب بھی عورت کو کچھ حقوق دیتی ہے، مگر عورت کی حیثیت سے نہیں بلکہ یہ اس وقت اس کو عزت دیتی ہے، جب وہ ایک مصنوعی مرد بن کر ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے پر تیار ہو جائے۔ مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین عورت کی حیثیت سے ہی اسے ساری عزتیں اور حقوق دیتا ہے اور وہی ذمہ دایاں اس پر عائد کیں جو خود فطرت نے اس کے سپرد کی ہیں۔ (۲)

عام طور پر کمزور کو اپنے حقوق حاصل کرنے کے لیے کافی محنت و کوشش کرنی پڑتی ہے۔ تب کہیں جا کر ان کو ان کے جائز حقوق ملتے ہیں، ورنہ تصور بھی نہیں کیا جاتا۔ موجودہ دور نے اپنی بحث وتمحیص اور احتجاج کے بعد عورت کے کچھ بنیادی حقوق تسلیم کیے اور یہ اس دور کا احسان مانا جاتا ہے، حالانکہ یہ احسان اسلام کا ہے، سب سے پہلے اسی نے عورت کو وہ حقوق دیے جس سے وہ مدتِ دراز سے محروم چلی آ رہی تھی۔ یہ حقوق اسلام نے اس لیے نہیں دیے کہ عورت اس کا مطالبہ کر رہی تھی، بلکہ اس لیے کہ یہ عورت کے فطری حقوق تھے اور اسے ملنا ہی چاہیے تھے۔ اسلام نے عورت کا جو مقام و مرتبہ معاشرے میں متعین کیا، وہ جدید وقدیم کی بے ہودہ روایتوں سے پاک ہے، نہ تو عورت کو گناہ کا پُتلا بنا کر مظلوم بنانے کی اجازت ہے اور نہ ہی اسے یورپ کی سی آزادی حاصل ہے۔ (۳)

یہاں پر ان حقوق کا ذکر کیا جاتا ہے جو اسلام نے عورت کو دیے، بلکہ ترغیب وترہیب کے ذریعہ اسے ادا کرنے کا حکم بھی صادر کیا۔

عورتوں کو زندہ رکھنے کا حق:

عورت کا جو حال عرب میں تھا وہی پوری دنیا میں تھا، عرب کے بعض قبائل لڑکیوں کو دفن کر دیتے تھے۔ قرآن مجید نے اس پر سخت تہدید کی اور اسے زندہ رہنے کا حق دیا اور کہا کہ جو شخص اس کے حق سے روگردانی کرے گا، قیامت کے دن خدا کو اس کا جواب دینا ہوگا۔ فرمایا:

وَ اِذَاالْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ. بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ (التکویر:۸۔۹)

اس وقت کو یاد کرو جب کہ اس لڑکی سے پوچھا جائے گا جسے زندہ دفن کیا گیا تھا کہ کس جرم میں اسے مارا گیا۔

ایک طرف ان معصوم کے ساتھ کی گئی ظلم وزیادتی پر جہنم کی وعید سنائی گئی تو دوسری طرف ان لوگوں کو جنت کی بشارت دی گئی۔ جن کا دامن اس ظلم سے پاک ہو اور لڑکیوں کے ساتھ وہی برتاؤ کریں جو لڑکوں کے ساتھ کرتے ہیں اور دونوں میں کوئی فرق نہ کریں۔ چنانچہ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کی لڑکی ہو وہ نہ تو اسے زندہ درگور کرے اور نہ اس کے ساتھ حقارت آمیز سلوک کرے اور نہ اس پر اپنے لڑکے کو ترجیح دے تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا۔ (۴)

عورت بحیثیتِ انسان:

اسلام نے عورت پر سب سے پہلا احسان یہ کیا کہ عورت کی شخصیت کے بارے میں مرد وعورت دونوں کی سوچ اور ذہنیت کو بدلا۔ انسان کے دل ودماغ میں عورت کا جو مقام و مرتبہ اور وقار ہے اس کو متعین کیا۔ اس کی سماجی، تمدنی اور معاشی حقوق کا فرض ادا کیا۔ قرآن میں ارشاد ربانی ہے:

خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا (النساء:۱)

اللہ نے تمھیں ایک انسان (حضرت آدم) سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی کو بنایا۔

اس بنا پر انسان ہونے میں مرد وعورت سب برابر ہیں۔ یہاں پر مرد کے لیے اس کی مردانگی قابلِ فخر نہیں ہے اور نہ عورت کے لیے اس کی نسوانیت باعثِ عار۔ یہاں مرد اور عورت دونوں انسان پر منحصر ہیں اور انسان کی حیثیت سے اپنی خلقت اور صفات کے لحاظ سے فطرت کا عظیم شاہکار ہے۔ جو اپنی خوبیوں اور خصوصیات کے اعتبار سے ساری کائنات کی محترم بزرگ ترین ہستی ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے کہ:

وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ وَ حَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلاً. (بنی اسرائیل:۷۰)

ہم نے بنی آدم کو بزرگی وفضیلت بخشی اور انھیں خشکی اور تری کے لیے سواری دی۔ انھیں پاک چیزوں کا رزق بخشا اور اپنی مخلوقات میں سے بہت سے چیزوں پر انھیں فضیلت دی۔

اور سورہ التین میں فرمایا:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ. (التین:۴)

ہم نے انسان کو بہترین شکل وصورت میں پیدا کیا۔

چنانچہ آدم کو جملہ مخلوقات پر فضیلت بخشی گئی اور انسان ہونے کی حیثیت سے جو سرفرازی عطا کی گئی اس میں عورت برابر کی حصے دار ہے۔(۵)

عورتوں کی تعلیم کا حق:

انسان کی ترقی کا دارومدار علم پر ہے کوئی بھی شخص یا قوم بغیر علم کے زندگی کی تگ ودو میں پیچھے رہ جاتا ہے۔ اور اپنی کُند ذہنی کی وجہ سے زندگی کے مراحل میں زیادہ آگے نہیں سوچ سکتا اور نہ ہی مادی ترقی کا کوئی امکان نظر آتا ہے، لیکن اس کے باوجود تاریخ کا ایک طویل عرصہ ایسا گزرا ہے جس میں عورت کے لیے علم کی ضرورت واہمیت کو نظر انداز کیا گیا اور اس کی ضرورت صرف مردوں کے لیے سمجھی گئی اور ان میں بھی جو خاص طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں صرف وہی علم حاصل کرتے تھے اور عورت علم سے بہت دور جہالت کی زندگی بسر کرتی تھی۔

لیکن اسلام نے علم کو فرض قرار دیا اور مرد وعورت دونوں کے لیے اس کے دروازے کھولے اور جو بھی اس راہ میں رکاوٹ و پابندیاں تھیں، سب کو ختم کر دیا۔ اسلام نے لڑکیوں کی تعلیم وتربیت کی طرف خاص توجہ دلائی اور اس کی ترغیب دی، جیسا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**طلب العلم فریضة** اور دوسری جگہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ عَالَ ثَلاثَ بَنَاتٍ فأدَّبَهُنَّ و زَوَّجَهُنَّ و أحْسنَ اِلَيْهِنَّ فَلَهُ الْجَنّةُ. (۶)

جس نے تین لڑکیوں کی پرورش کی، ان کو تعلیم وتربیت دی، ان کی شادی کی اور اس کے ساتھ (بعد میں بھی) حسنِ سلوک کیا تو اس کے لیے جنت ہے۔

اسلام مرد وعورت دونوں کو مخاطب کرتا ہے اور اس نے ہر ایک کو عبادت اخلاق وشریعت کا پابند بنایا ہے جو کہ علم کے بغیر ممکن نہیں۔ علم کے بغیر عورت نہ تو اپنے حقوق کی حفاظت کر سکتی ہے اور نہ ہی اپنی ذمہ داریوں کو ادا کر سکتی ہے جو کہ اسلام نے اس پر عائد کی ہیں، اس لیے مرد کے ساتھ ساتھ عورتوں کی تعلیم بھی نہایت ضروری ہے۔

جیسا کہ گزشتہ دور میں جس طرح علم مردوں میں پھیلا، اسی طرح عورتوں میں بھی عام ہوا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان قرآن وحدیث میں علم رکھنے والے خواتین کافی مقدار میں ملتی ہیں، قرآن وحدیث کی روشنی میں مسائل کا استنباط اور فتویٰ دینا بڑا ہی مشکل اور نازک کام ہے، لیکن پھر بھی اس میدان میں عورتیں پیچھے نہیں تھیں، بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مدِ مقابل تھیں، جن میں کچھ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ مثلاً

حضرت عائشہ، حضرت اُمّ سلمہ، حضرت اُمّ عطیہ، حضرت صفیہ، حضرت اُمّ حبیبہ، اسماء بنت ابوبکر، اُمّ شریک، فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہن وغیرہ نمایاں تھیں۔ (۷)

معاشرتی میدان:

جس طرح دیگر معاشروں نے عورت کو کانٹے کی طرح زندگی کی رہ گزر سے مٹانے کی کوشش کی تو اس کے برعکس اسلامی معاشرہ نے بعض حالتوں میں اسے مردوں سے زیادہ فوقیت اور عزت واحترام عطا کیا ہے۔ وہ ہستی جو عالمِ دنیا کے لیے رحمت بن کر تشریف لائی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اس نے اس مظلوم طبقہ کو یہ مژدہ جانفزا سنایا:

حُبِّبَ اِلَیَّ مِنَ الدُّنْیَا النِّسَاءُ و الطِّیْبُ وَ جُعِلَتْ قُرَّةُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوةِ. (۸)

مجھے دنیا کی چیزوں میں سے عورت اور خوشبو پسند ہے اور میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں رکھ دی گئی ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت سے بے زاری اور نفرت کوئی زہد وتقویٰ کی دلیل نہیں ہے، انسان خدا کا محبوب اس وقت ہوسکتا ہے جب وہ اللہ کی تمام نعمتوں کی قدر کرے جن سے اس نے اپنے بندوں کو نوازا ہے، اس کی نظامت اور جمال کا متمنی ہو اور عورتوں سے صحیح ومناسب طریقے سے پیش آنے والا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ مرد اور عورت دونوں کے لیے نکاح کو لازم قرار دیا گیا ہے، اس سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَلنِّکَاحُ مِنْ سُنَّتِیْ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّی. (۹)

نکاح میری سنت ہے، جس نے میری سنت سے روگردانی کی اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔ (۱۰)

چنانچہ ایک عورت بیوی کی حیثیت سے اپنے شوہر کے گھر کی ملکہ ہے اور اس کے بچوں کی معلم ومربی ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (البقرہ:۱۸۷)

عورتیں تمھارا لباس ہیں اور تم ان کا۔

یعنی کہ تم دونوں کی شخصیت ایک دوسرے سے ہی مکمل ہوتی ہے۔ تم ان کے لیے باعثِ حسن وآرائش ہو تو وہ

تمھارے لیے زینت وزیبائش غرض دونوں کی زندگی میں بہت سے تشنہ پہلو ہوتے ہیں جو کہ ایک دوسرے کے بغیر پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچتے۔(۱۱)

معاشی حقوق:

معاشرہ میں عزت معاشی حیثیت کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ جو جاہ وثروت کا مالک ہے، لوگ اس کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور جس کے پاس نہیں ہے لوگ اس کے قریب سے گزرنا بھی گوارا نہیں کرتے، عزت کرنا تو دور کی بات ہے۔ اسے دنیا کے تمام سماجوں اور نظاموں نے عورت کو معاشی حیثیت سے بہت ہی کمزور رکھا، سوائے اسلام کے، پھر اس کی یہی معاشی کمزوری اس کی مظلومیت اور بے چارگی کا سبب بن گئی۔ مغربی تہذیب نے عورت کی اسی مظلومیت کا مداوا کرنا چاہا۔ اور عورت کو گھر سے باہر نکال کر انھیں فیکٹریوں اور دوسری جگہوں پر کام پر لگا دیا۔ اس طرح سے عورت کا گھر سے باہر نکل کر کمانا بہت سی دیگر خرابیوں کا سبب بن گیا، ان حالات میں اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے راہِ اعتدال اختیار کیا۔

(۱) عورت کا نان ونفقہ ہر حالت میں مرد کے ذمہ ہے۔ اگر بیٹی ہے تو باپ کے ذمہ۔ بہن ہے تو بھائی کے ذمہ، بیوی ہے تو شوہر پر اس کا نان نفقہ واجب کر دیا گیا اور اگر ماں ہے تو اس کے اخراجات اس کے بیٹے کے ذمہ ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَ عَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ. (البقرہ:۲۳۶)

خوشحال آدمی اپنی استطاعت کے مطابق اور غریب آدمی اپنی توفیق کے مطابق معروف طریقے سے نفقہ دے۔

(۲) مہر: عورت کا حقِ مہر ادا کرنا مرد پر لازم قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ:

وَ آتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْساً فَكُلُوْهُ هَنِيْئاً مَّرِيْئاً. (النساء:۴)

عورتوں کو ان کا حق مہر خوشی سے ادا کرو اگر وہ اپنی خوشی سے اس میں سے کچھ حصہ تمھیں معاف کر دیں تو اس کو خوشی اور مزے سے کھاؤ۔

(۳) وراثت: بعض مذہبوں کے پیشِ نظر وراثت میں عورت کا کوئی حق نہیں ہوتا، لیکن ان مذہبوں اور معاشروں کے برعکس اسلام نے وراثت میں عورتوں کا باقاعدہ حصہ دلوایا۔ اس کے لیے قرآن کریم میں لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ. ارشاد ہوا ہے یعنی مرد کو عورتوں کے دو برابر حصے ملیں گے۔ (النساء:۱۱) یعنی عورت کا حصہ مرد سے آدھا ہے، اسی طرح وہ باپ سے، شوہر سے، اولاد سے اور دوسری قریبی رشتہ داروں سے باقاعدہ وراثت کی حق دار ہے۔

(۴) مال وجائیداد کا حق: اس طرح عورت کو مہر سے اور وراثت سے جو کچھ مال ملے، وہ پوری طرح سے اس کی مالک ہے، کیونکہ اس پر کسی بھی طرح کی معاشی ذمہ داری نہیں ہے، بلکہ وہ سب سے حاصل کرتی ہے، اس لیے یہ سب اس کے پاس محفوظ ہے۔ اگر مرد چاہے تو اس کا وراثت میں دوگنا حصہ ہے، مگر اسے ہر حال میں عورت پر خرچ کرنا ہوتا ہے، لہٰذا اس طرح سے عورت کی مالی حالت (اسلامی معاشرہ میں) اتنی مستحکم ہو جاتی ہے کہ کبھی کبھی مرد سے زیادہ بہتر حالت میں ہوتی ہے۔

(۵) پھر وہ اپنے مال کو جہاں چاہے خرچ کرے، اس پر کسی کا اختیار نہیں، چاہے تو اپنے شوہر کو دے یا اپنی اولاد کو یا پھر کسی کو ہبہ کرے یا خدا کی راہ میں دے، یہ اس کی اپنی مرضی ہے اور اگر وہ از خود کماتی ہے تو اس کی مالک بھی وہی ہے، لیکن اس کا نفقہ شوہر پر واجب ہے، چاہے وہ کمائے یا نہ کمائے۔ اس طرح سے اسلام کا عطا کردہ معاشی حق عورت کو اتنا مضبوط بنا دیتا ہے کہ عورت جتنا بھی شکر ادا کرے کم ہے، جب کہ عورت ان معاشی حقوق سے کلیتاً محروم ہے۔

تمدنی حقوق

شوہر کا انتخاب: شوہر کے انتخاب کے سلسلے میں اسلام نے عورت پر بڑی حد تک آزادی دی ہے۔ نکاح کے سلسلے میں لڑکیوں کی مرضی اور ان کی اجازت ہر حالت میں ضروری قرار دی گئی ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

لَا یُنۡکَحُ الۡاَیۡمُ حَتّٰی تُسۡتَاۡمَرُ وَ لَا تُنۡکَحُ الۡبِکۡرُ حَتّٰی تُسۡتأذن. (۱۲)

شوہر دیدہ عورت کا نکاح اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک کہ اس سے مشورہ نہ لیا جائے اور کنواری عورت کا نکاح بھی اس کی اجازت حاصل کیے بغیر نہ کیا جائے۔ (۱۳)

اگر بچپن میں کسی کا نکاح ہو گیا ہو، بالغ ہونے پر لڑکی کی مرضی اس میں شامل نہ ہو تو اسے اختیار ہے کہ اس نکاح کو وہ رد کر سکتی ہے، ایسے میں اس پر کوئی جبر نہیں کر سکتا۔

ہاں اگر عورت ایسے شخص سے شادی کرنا چاہے جو فاسق ہو یا اس کے خاندان کے مقابل نہ ہو تو ایسی صورت میں اولیاء ضرور دخل اندازی کریں گے۔

خلع کا حق:

اسلام نے عورت کو خلع کا حق دیا ہے کہ اگر ناپسندیدہ ظالم اور ناکارہ شوہر ہے تو بیوی نکاح کو فسخ کر سکتی ہے اور یہ حقوق عدالت کے ذریعے دلائے جاتے ہیں۔

حسن معاشرت کا حق:

قرآن میں حکم دیا گیا: **وَ عَاشِرُوۡھُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ** عورتوں سے حسن سلوک سے پیش آؤ۔ (النساء:۱۹) چنانچہ شوہر کو بیوی سے حسن سلوک اور فیاضی سے برتاؤ کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ **خیرُکم خیرُکم لاھله.** تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے حق میں اچھے ہیں اور اپنے اہل وعیال سے لطف ومہربانی کا سلوک کرنے والے ہیں۔ (۱۴)

بیویوں کے حقوق:

اسلام کے آنے کے بعد لوگوں نے عورتوں کو بے قدری کی نگاہوں سے دیکھا، اس بے قدری کی ایک شکل یہ تھی کہ لوگ عبادت میں اتنے محو رہتے تھے کہ بیوی کی کوئی خبر نہیں۔ حضرت عمرو بن العاص اور حضرت ابو درداء کا واقعہ بڑی تفصیل سے حدیث میں مذکور ہے کہ کثرتِ عبادت کی وجہ سے ان کی بیوی کو ان سے شکایت ہوئی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

ان کو بلا کر سمجھایا اور فرمایا کہ تم پر تمھاری بیویوں کا بھی حق ہے، لہٰذا تم عبادت کے ساتھ ساتھ اپنی بیویوں کا بھی خیال رکھو۔

بیویوں کے حقوق کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:

''لوگو! عورتوں کے بارے میں میری وصیت قبول کرو، وہ تمھاری زیرِ نگین ہیں تم نے ان کو اللہ کے عہد پر اپنی رفاقت میں لیا ہے اور ان کے جسموں کو اللہ ہی کے قانون کے تحت اپنے تصرف میں لیا ہے۔ تمھارا ان پر یہ حق ہے کہ گھر میں کسی ایسے شخص کو نہ آنے دیں جس کا آنا تمھیں ناگوار ہے، اگر ایسا کریں تو تم ان کو ہلکی مار مار سکتے ہو اور تم پر ان کو کھانا کھلانا اور پلانا فرض ہے۔(۱۵)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جگہ اور فرمایا:

خیرُکم خیرُکم لاھلہٖ وأنا خیرُکم لاھلی. (۱۶)

تم میں سے بہترین وہ ہے جو اپنی بیویوں کے لیے بہترین ثابت ہو اور خود میں اپنے اہل وعیال کے لیے تم سب سے بہتر ہوں۔

اِنَّ أکْمَلَ المؤمنینَ اِیْمَاناً أحْسَنُھُمْ خُلقاً و ألطفھم لاھلہٖ. (۱۷)

کامل ترین مومن وہ ہے جو اخلاق میں اچھا ہو اور اپنے اہل وعیال کے لیے نرم خو ہو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مردوں کو بیویوں کے حق میں سراپا محبت وشفقت ہونا چاہیے اور ہر جائز امور میں ان کی حوصلہ افزائی اور دلجوئی کرنی چاہیے۔ کچھ لمحوں کے لیے دوسرے کے سامنے اچھا بن جانا کوئی مشکل کام نہیں حقیقتاً نیک اور اچھا وہ ہے جو اپنی بیوی سے رفاقت کے دوران صبر وتحمل سے کام لینے والا ہو اور محبت و شفقت رکھنے والا ہو۔(۱۸)

عورتوں کا معاشرتی مقام اسلام کی نظر میں:

اسلام میں معاشرتی حیثیت سے عورتوں کا اتنا بلند مقام حاصل ہے کہ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ معاشرت کے باب میں اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر مرد کو مخاطب کر کے یہ حکم دیتا ہے کہ ان کے ساتھ معاشرت کے باب میں ''معروف'' کا خیال کیا جائے، تاکہ وہ معاشرت کے ہر پہلو اور ہر چیز میں حسن معاشرت برتیں۔ ارشاد ربانی ہے کہ:

وَ عَاشِرُوْھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ کَرِھْتُمُوْھُنَّ فَعَسَی أنْ تَکْرَھُوْ شَیْئاً وَّ یَجْعَلَ اللّٰہُ فِیْہِ خَیْراً کَثِیْراً. (النساء:۱۹)

اور ان عورتوں کے ساتھ حسنِ معاشرت کے ساتھ زندگی گزارو اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ تم کوئی چیز ناپسند کرو اور اللہ اس میں خیر کثیر رکھ دے۔

معاشرت کے معنی ہیں، مل جل کر زندگی گزارنا، اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایک تو مردوں کو عورتوں سے مل جل کر زندگی گزارنے کا حکم دیا ہے۔ دوسرے یہ کہ ''معروف'' کے ساتھ اسے مقید کر دیا ہے، لہٰذا امام ابوبکر

جصاص رازی (المتوفی ۷۰ھ) معروف کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس میں عورتوں کا نفقہ، مہر، عدل کا شمار کر سکتے ہیں۔ اور معروف زندگی گزارنے سے مطلب یہ ہے کہ گفتگو میں نہایت شائستگی اور شیفتگی سے کام لیا جائے باتوں میں حلاوت ومحبت ہو، حاکمانہ انداز نہ ہو اور ایک بات کو توجہ کے ساتھ سنیں اور بے رخی، بے اعتنائی نہ برتیں اور نہ ہی کوئی بدمزاجی کی جھلک ظاہر ہو۔(۱۹)

قرآن میں صرف معاشرت کے لیے ہی نہیں کہا گیا کہ عورتوں کے ساتھ معروف طریقے سے پیش آنا مردوں پر خدا نے فرض کیا ہے، بلکہ اسی کے ساتھ ہر طرح کے مسائل کے بارے میں کہا گیا ہے۔ جیسے مطلقہ عورت کے بارے میں صاف طور پر یہ اعلان کیا گیا ہے کہ:

وَ لَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا. (البقرہ:۲۳۱)

ایذا دہی کے خیال سے ان کو نہ روک رکھو، تاکہ تم زیادتی کرو۔

آزادیِ رائے کا حق:

اسلام میں عورتوں کی آزادی کا حق اتنا ہی ہے جتنا کہ مرد کو حاصل ہے خواہ وہ دینی معاملہ ہو یا دنیاوی۔ اس کو پورا حق ہے کہ وہ دینی حدود میں رہ کر ایک مرد کی طرح اپنی رائے آزادانہ استعمال کرے۔

ایک موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ''تم لوگوں کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ عورتوں کی مہر زیادہ نہ باندھو، اگر مہر زیادہ باندھنا دنیا کے اعتبار سے بڑائی ہوتی اور عنداللہ تقویٰ کی بات ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے زیادہ مستحق ہوتے۔(ترمذی)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس تقریر پر ایک عورت نے بھری مجلس میں ٹوکا اور کہا کہ آپ یہ کیسے کہہ رہے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ آتَيْتُمْ اِحْدَاهُنَّ قِنْطَاراً فَلَا تَأْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئاً. (النساء:۲۰)

اور دیا ہے ان میں سے کسی کو ایک ڈھیر سامان تو اس میں سے کچھ نہ لو۔

جب خدا نے جائز رکھا ہے کہ شوہر مہر میں ایک قنطار بھی دے سکتا ہے تو تم اس کو منع کرنے والے کون ہوتے ہو۔ حضرت عمر نے یہ سن کر فرمایا كُلُّكُمْ أَعْلَمُ مِنْ عُمَرَ تم سب تم سے زیادہ علم والے ہو۔ اس عورت کی آزادیِ رائے کو مجروح قرار نہیں دیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کیوں ٹوکا گیا اور ان پر کیوں اعتراض کیا گیا، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی گفتگو اوّلیت اور افضلیت میں تھی۔ نفس جواز میں نہ تھی۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عورتوں کو اپنی آزادیِ رائے کا پورا حق ہے، حتی کہ اسلام نے لونڈیوں کو بھی اپنی آزادانہ رائے رکھنے کا حق دیا۔ اور یہ اتنی عام ہو چکی تھی کہ عرب کی لونڈی اس پر بے جھجک، بنا تردد کے عمل کرتی تھیں حتی کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی اس رائے سے جو بحیثیت نبوت ورسالت کے نہیں ہوتی تھی، اس پر بھی بے خوف وخطر کے

اپنی رائے پیش کرتی تھیں اور انھیں کسی چیز کا خطرہ محسوس نہیں ہوتا تھا اور نہ ہی نافرمانی کا۔(۲۰)

اس آزادیِ رائے کا سرچشمہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس تھی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت نے ازواجِ مطہرات میں آزادیِ ضمیر کی روح پھونک دی تھی،جس کا اثر تمام عورتوں پر پڑتا تھا۔

حواشی

(۱)مسلمان عورت کے حقوق اوران پر اعتراضات کا جائزہ،سید جلال الدین عمری،مطبع ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی،مارچ۱۹۸۶ء،ص:۱۵

(۲)اسلام میں عورت کا مقام،مرتبہ:ثریا بتول علوی،اسلامک بک فاؤنڈیشن،نئی دہلی۱۹۹۳ء،ص:۱۵

(۳) اسلام میں عورت کا مقام،مرتبہ:ثریا بتول علوی،اسلامک بک فاؤنڈیشن،نئی دہلی۱۹۹۳ء،ص:۲۹۔۳۰

(۴)ابوداؤد،باب فضل من عال فی یتامی،ابوداؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی،مکتبہ معارف للنشر والتوزیع،ص:۹۳۰

(۵) اسلام میں عورت کا مقام،مرتبہ:ثریا بتول علوی،اسلامک بک فاؤنڈیشن،نئی دہلی۱۹۹۳ء،ص:۳۱

(۶)ابوداؤد،باب فضل من عال فی یتامی،مکتبہ معارف للنشر والتوزیع،ص:۹۳۱

(۷)مسلمان عورتوں کے حقوق اوران پر اعتراضات کا جائزہ:سید جلال الدین عمری،ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی،مارچ۱۹۸۶ء،ص:۲۹

(۸)نسائی،ابی عبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی الشہیر (النسائی)،مکتبہ معارف للنشر والتوزیع،۱۴۰۳ھ ص:۲۰۹

(۹)بخاری،کتاب النکاح،کتب خانہ رشیدیہ دہلی،ص:۷۵۷۔۷۵۸

(۱۰)بخاری،کتاب النکاح،کتب خانہ رشیدیہ دہلی،ص:۷۵۷۔۷۵۸

(۱۱)اسلام میں عورت کا مقام،مرتبہ:ثریا بتول علوی،اسلامک بک فاؤنڈیشن،نئی دہلی۱۹۹۳ء،ص:۳۵

(۱۲)مشکوٰۃ کتاب النکاح،کتب خانہ نعیمیہ،دیوبند،ص:۲۷۰

(۱۳)مشکوٰۃ باب عشرۃ النساء،کتب خانہ نعیمیہ،دیوبند،ص:۲۸۱

(۱۴)مشکوٰۃ کتاب النکاح،کتب خانہ نعیمیہ،دیوبند،ص:۲۷۰

(۱۵)مشکوٰۃ بروایت صحیح مسلم،فی قصۃ حجۃ الوداع،کتب خانہ نعیمیہ،دیوبند،ص:۲۲۵

(۱۶)مشکوٰۃ باب عشرۃ النساء،کتب خانہ نعیمیہ،دیوبند،ص:۲۸۱

(۱۷)مشکوٰۃ عن ترمذی،کتب خانہ نعیمیہ،دیوبند،

(۱۸)اسلام میں عورت کا مقام،مرتبہ:ثریا بتول علوی،اسلامک بک فاؤنڈیشن،نئی دہلی۱۹۹۳ء،ص:۶۰۔۶۱

(۱۹)اسلام میں عورت کا مقام،مولوی عبدالصمد رحمانی،دینی بک ڈپو اردو بازار دہلی،ص:۱۷

(۲۰) اسلام میں عورت کا مقام،مولوی عبدالصمد رحمانی،دینی بک ڈپو اردو بازار دہلی،ص:۲۲۔۲۳

(مطبوعہ:ماہنامہ ''دارالعلوم'' دیوبند،اکتوبر۲۰۱۴ء)

پروفیسر خالد شبیر احمد　　قسط:۴۳

ورق ورق زندگی

محفل ہوٹل کی رونقیں:

محفل ہوٹل کی رونقیں تحریک کے باوجود برقرار تھیں بلکہ ان میں اضافہ ہوا۔ ہم تمام دوست رات کو محفل میں جمع ہوتے اور تحریک کی صورت حال پر تبصرہ کرتے۔ بعض اوقات تحریک میں حصہ لینے والے کارکن بھی ہوٹل میں آ جاتے اور دن بھر کی کارگردگی سے ہمیں مطلع کرتے۔ چودھری صفدر علی ایڈووکیٹ مرحوم میرِ محفل ہوتے۔ کبھی محفل کا ماحول انتہائی سنجیدہ ہو جاتا تو کبھی متانت اور سنجیدگی کہیں دور دور تک نظر نہ آتی۔ مسرت و شادمانی پوری طرح اہل محفل کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی۔ ڈاکٹر ریاض مجید، ملک اکرام محی الدین اور رانا ممتاز خصوصی طور پر دلکش اور لطف انگیز باتوں سے اہل محفل کو اپنی طرف متوجہ کرتے تو محفل کا رنگ ہی بدل جاتا۔ تحریک پر تبصرے بھی ہوتے۔ شہر کے اندر ہونے والے مظاہرے بھی زیر بحث آتے اور ملک کے دوسرے شہروں سے تحریک ختمِ نبوّت کے بارے میں خبروں پر تبصرہ بھی ہوتا۔ لیکن تمام دوست اس بات پر متفق نظر آتے کہ اس بار ۱۹۵۳ء کی تحریک کی طرح نہیں ہوگا۔ جس طرح پوری قوم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموس اور اُن کے مقام و منصب کے تحفظ کے لیے اُٹھ کھڑی ہوئی ہے، جو جذبہ جو ولولہ نظر آ رہا ہے اور جس جوش و خروش سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پاکستان کے عوام اپنی عقیدت اور عشق کا اظہار کر رہے ہیں حکومت اس کا مقابلہ نہیں کر سکے گی اور عوام کے مطالبات کے سامنے اُسے کو سرنگوں ہونا پڑے گا۔ وقت کے ساتھ ساتھ دوستوں کا یہ خیال مزید مستحکم ہوتا گیا اور آخر حکومت نے یہ فیصلہ کر دیا کہ قادیانیوں کا مسئلہ قومی اسمبلی میں پیش ہوگا۔

قادیانی مسئلہ قومی اسمبلی میں:

جس دن یہ خبر آئی کہ قادیانیوں کا مسئلہ قومی اسمبلی میں پیش کر دیا گیا ہے اُس شام محفل ہوٹل میں جمع ہونے والے احباب کی خوشیوں کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔ ہر دوست دوسرے کو مبارک دے رہا تھا اور خوشی میں مٹھائی بھی تقسیم ہو رہی تھی۔ دوستوں کے چہروں پر مسرت و انبساط رقص کرتی نظر آتی تھی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے کسی حسین ترین اور خوش کن خواب کی تعبیر مکمل ہوتی سامنے نظر آ رہی ہو اور ہر دل سے یہی دعا آسماں کی طرف اُڑتی چلی جاری ہے:

حُسن مآل کاتبِ تقدیر چاہیے　　مجھ کو تو میرے خواب کی تعبیر چاہیے
ایوانِ عدل میں کوئی محشر ہو پھر برپا　　شہ رگ جو کاٹے ظلم کی شمشیر چاہیے
جب پھیل جائے کفر کی ظلمت چہار سمت　　پھر کیوں نہ ہم کو دین کی تنویر چاہیے

دین کی وہ تنویر جس سے قادیانیت کی ظلمت اور اندھیرا دور ہو جائے وہ سامنے نظر آ رہی تھی۔ وہ خواب جو شاعر مشرق نے دیکھا تھا، جس خواب کو حقیقت میں تبدیل کرنے کا بیڑا امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اٹھایا تھا وہ پورا ہوتا نظر آ رہا تھا اور یہی اہل محفل کی خوشی و مسرت کا باعث تھا۔ وہ دو اڑھائی ماہ جو قومی اسمبلی کی کارروائیوں

میں صرف ہوئے ہمیں دو سال کی صورت میں محسوس ہوتے تھے۔ دل کی دھڑکن اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہوتے محسوس ہوتی اور کہتی کہ اے اللہ سُن لے ہماری التجا اور کر دے وہ فیصلہ جو پاکستان کے ہر شہری کے دل کی صدا ہے کہ قادیانی جو ہرگز مسلمان نہیں ہیں، انھیں آئینی طور پر مسلمانوں سے الگ غیر مسلم اقلیت قرار دلوا دے۔

ادھر قومی اسمبلی میں مسئلہ قادیانیت پیش ہوا تو دینی جماعتوں جن میں مجلس احرار اسلام اور مجلس تحفظ ختم نبوّت نے قادیانی لٹریچر وافر مقدار میں اراکین اسمبلی کو مہیا کرنا شروع کر دیا۔ تاکہ اراکین اسمبلی قادیانیوں کے خلافِ اسلام عقائد سے اچھی طرح سے متعارف ہوسکیں۔ مولانا عبدالرحیم اشرف رحمۃ اللہ علیہ (مدیر ہفت روزہ ''المنبر'' فیصل آباد) نے بھی قادیانی لٹریچر اراکین اسمبلی کو مہیا کرنے میں ایک اہم کردار ادا کیا۔ اور ظاہر ہے کہ جب یہ لٹریچر اراکین اسمبلی تک پہنچا تو پھر اُن کے دل و دماغ اور ذہن میں ایک ایسا انقلاب برپا ہوا کہ جس کے سامنے قادیانیوں کے مسلمان ہونے یا کہلوانے کا بت پاش پاش ہونا لازمی تھا اور وہ ہو کر رہا۔

میرے عزیز دوست افضل احسن رندھاوا جو پنجابی کے حوالے سے بین الاقوامی سطح پر متعارف ہیں اور جن سے میرے دوستانہ تعلقات ہیں۔ فیصل آباد میں اُن سے اکثر ملاقاتیں رہیں، وہ اُن دنوں فیصل آباد سے پیپلز پارٹی کے ایم این اے تھے۔ وہ اُن دنوں کی کہانی جب قومی اسمبلی میں قادیانی مسئلہ زیرِ بحث تھا، مجھے بتاتے رہے کہ ہر رکن اسمبلی قادیانی لٹریچر پڑھ کر قادیانیوں کے خلاف ہو چکا تھا۔ اور ہر رکن نے اپنے دل میں یہ فیصلہ بہت پہلے ہی کر لیا تھا کہ وہ اس قرارداد کے حق میں ووٹ دیں گے جس میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے لیے کہا جائے گا۔ انھوں نے مجھے اپنے والد محترم کا وہ خط بھی پڑھایا جس میں اُن کے والد نے اُنھیں لکھا کہ اگر تم نے قادیانیوں کے خلاف ووٹ نہ دیا تو پھر میرے گھر کے دروازے تمھارے لیے بند ہوں گے۔ انھوں نے کہا کہ مرزا ناصر اور اُس کے ساتھ اُس کا لاؤ لشکر جب اسمبلی میں آتا تو ہم تمام اراکین اُن کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے کہ ہم نے وہ تمام لٹریچر پڑھ لیا تھا جو ہمیں مہیا کیا گیا، جس میں اللہ، رسول، صحابہ کرام، خاندان اہل بیت کی توہین کی گئی تھی اور ہمیں اُن تمام سرگرمیوں سے بھی آگاہی ہو چکی تھی جو قادیانیوں کی طرف سے اسرائیل کی حدود سے بلادِ اسلامیہ میں انگریزوں کو خوش کرنے کے لیے سرانجام دی گئیں تھی اور جہاد کی منسوخی کے خلاف قادیانیوں نے جو مہم پوری اسلامی دنیا میں پھیلائی ہم اُس سے بھی بخوبی واقف ہو چکے تھے۔ انھوں نے ہی مجھے بتایا کہ قومی اسمبلی کے جو علمائے کرام رکن تھے وہ بھی اُن دنوں انتہائی فعال نظر آئے اور قومی اسمبلی میں اُن کی سرگرمیوں میں خلوص اور جنون و عشق کا جذبہ وافر نظر آتا تھا۔ خصوصیت کے ساتھ مولانا مفتی محمودؒ، مولانا شاہ احمد نورانیؒ، مولانا غلام غوث ہزارویؒ، مولانا عبدالحق اور پروفیسر عبدالغفورؒ کا قومی اسمبلی کے اندر کردار انتہائی قابل قدر اور قابل صد ستائش تھا۔ انھوں نے اس مقدس کام کے لیے دن رات ایک کر دیا اور قادیانیوں کے سربراہ مرزا ناصر پر جرح کرتے ہوئے اُن کے الفاظ ہمارے دلوں اور ہماری روح میں حرارت پیدا کرتے رہے۔ جبکہ قادیانی وکلاء اور اُن کے مربی حضرات پر آگ کے شعلوں کی طرح گرتے اور اُنھیں پسپائی پر مجبور کر دیتے تھے۔ وہ ایسا سماں پیدا کر دیتے تھے کہ اُن کے لیے دل سے دعا نکلتی تھی اور اُن کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتۂ عقیدت پر کبھی کبھی آنکھوں سے آنسو بھی نکل آتے تھے۔

بہر حال قومی اسمبلی میں قادیانی آخر دم تک اپنے غلط اور خلاف اسلام عقیدے پر ڈٹے رہے اور پھر وہی ہوا جو ہونا

چاہیے تھا کہ جو گروہ مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی مانتے ہوئے مسلمانوں کو کافر قرار دیتا ہے تو پھر مسلمان عقیدۂ ختمِ نبوّت کی بنیاد پر اُنھیں کافر کیوں نہ قرار دیں۔

شاہی مسجد لاہور میں جلسہ اور ہنگامہ آرائی:

یکم ستمبر ۱۹۷۴ء کا وہ جلسہ جو تمام دینی اور سیاسی جماعتوں کا ایک متحدہ جلسہ تھا اور جو تحریک کے آخری دنوں میں مسلمانوں کی اس تحریک کی تائید میں کیا گیا تھا۔ اُس کا قصہ بھی اس تحریک کا اہم حصہ ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ تمام سیاسی اور دینی جماعتوں کے سربراہوں نے اس جلسہ میں عوام سے خطاب کرنا تھا۔ میں بھی اس جلسہ میں شرکت کے لیے دفتر مجلس احرارِ اسلام لاہور میں ایک دن پہلے ہی پہنچ گیا تھا۔ جہاں پر پورے ملک سے احرار رضا کار جمع ہو رہے تھے اکابر احرار بھی اپنے وقت پر دفتر پہنچ گئے اور پھر قائد احرار مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاری اور ابن امیر شریعت سید عطاء المؤمن بخاری کی قیادت میں احرار رضا کاروں کے ہمراہ وقت مقررہ پر میں بھی شاہی مسجد لاہور پہنچا۔ لوگوں کا جم غفیر مسجد کے صحن اور ہال میں جمع تھا۔ مظفر علی شمسی اور علامہ احسان الٰہی ظہیر کی تقریروں کے بعد جب مولانا ابوذر بخاری تقریر کے لیے سٹیج پر آئے تو امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری زندہ باد، مجلس احرارِ اسلام زندہ باد کے نعروں سے جلسہ گاہ کی پوری فضا گونج اٹھی۔ مولانا ابوذر بخاری نے خطبۂ مسنونہ اور تلاوت شروع کی تو لاکھوں کا یہ مجمع اُن کے لحنِ داؤدی کے سحر سے وجد میں آ گیا۔ جب تک تلاوت ہوتی رہی جذب و کیف کی فضا نے دل و دماغ ہی نہیں روح تک کو بھی مسحور و مخمور کیے رکھا۔ تقریر شروع ہوئی، آہستہ آہستہ تقریر نے تمام لوگوں کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ میں نے بھی اُس تقریر میں وہ سب کچھ دیکھا جو امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کے تقریروں میں دیکھا کرتا تھا۔ لیکن چند منٹ بعد یکدم مسجد کے جنوبی دروازے سے جو جماعتوں کے سربراہوں کے آنے کے لیے ہی مخصوص تھا۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی ایک کرسی پر جسے جماعتِ اسلامی کے رضا کاروں نے اپنے کندھوں پر اٹھایا ہوا تھا نمودار ہو گئے۔ تو جلسے کی فضا یکسر تبدیل ہو گئی، جماعت اسلامی اور اسلامی جمعیت طلباء کے نوجوانوں نے سید مودودی زندہ باد کے نعرے لگائے، مسجد کے صحن میں اکیس گولے چلائے جو عموماً دلہا کی برات میں چھوڑے جاتے ہیں اور ساتھ ہی تالیاں بجا کر مولانا مودودی کا استقبال کیا۔ ایسے حالات میں جب کہ پورا مجمع اس استقبال سے پریشان تھا، مولانا ابوذر بخاری کے لیے تقریر کرنا مشکل ہو گیا اور وہ خاموشی سے اپنی تقریر کو نامکمل چھوڑ کر بیٹھ گئے سید مودودی نے خاموش رہنے کی التجا کی جو کافی دیر کے بعد مجمع کی طرف سے منظور ہوئی تو آپ نے کہا:

''میں انتہائی بیماری کی حالت میں ہوں۔ چلنے پھرنے سے بھی عاری ہوں، لیکن موقع کی مناسبت سے میرا یہاں آنا ضروری تھا تو کارکن مجھے یہاں تک اُٹھا کر لے آئے ہیں۔ آپ سے گزارش ہے کہ خاموشی سے میری چند باتیں جو میں لکھ کر لایا ہوں سن لیں۔''

مولانا مودودی نے لکھی ہوئی تقریر پڑھنی شروع کی۔ ابھی شاید وہ اپنی تقریر پوری بھی نہ پڑھ پائے تھے کہ مسجد کے مشرقی دروازے سے جو کہ شاہی قلعہ کی طرف ہے مولانا مفتی محمود صاحب ایک جم غفیر کے ساتھ داخل ہوئے تو جلسے کی فضا ایک دفعہ پھر مکدّر ہو گئی۔ جماعت اسلامی اور جمعیت علماء اسلام کے کارکن سید مودودی اور مفتی محمود کے حق میں نعرے لگانے لگے۔ جس طرح مولانا مودودی کی آمد پر مولانا ابوذر بخاری تقریر نہ کر سکے ویسے ہی مولانا مفتی محمود کی آمد پر مولانا مودودی کو بھی تقریر ختم

کرنا پڑی۔اس پر جماعت اسلامی کے کارکن مشتعل ہوگئے اور معاملہ بگڑتا چلا گیا۔ایک دوسرے کے خلاف نعرے شروع ہوئے تو مقررین کے لیے تقریر کرنا مشکل ہوگیا۔ایک عجیب صورت حال تھی۔نعروں سے معاملہ آگے بڑھا تو جماعت اسلامی اور جمعیت علماء اسلام کے رضا کار ایک دوسرے کے گریبانوں تک آن پہنچے۔ایسے حالات میں مجلس احرار اسلام اور خاکسار تحریک کے رضا کار جن میں مَیں بھی شامل تھا اور پھر مظفر علی شمسی اور علامہ احسان الٰہی ظہیر یہ سب ہاتھ جوڑ جوڑ کر لوگوں کو تلقین کرتے رہے کہ اللہ کے لیے اس صورت حال کو ختم کریں اور جلسے کی کارروائی کو شروع کرنے دیں۔مگر نعروں کا شور اور کشیدگی بڑھتی چلی گئی اور نوبت بایں جارسید کہ ایک دوسرے کے سر پھاڑے گئے اور معاملہ کنٹرول سے باہر ہوگیا۔یہ صورت حال دیکھ کر میں انتہائی پریشان تھا اور سوچ رہا تھا کہ ایک طرف تحریک متحدہ طور پر چل رہی ہے اور جب تحریک اختتام کے قریب ہے، یہ صورت حال کہیں ساری تحریک کا بیڑہ غرق ہی نہ کردے۔کل کو یہ جھگڑا اخبارات میں شائع ہوگا تو پھر پورے پاکستان کے عوام پر کیا تاثر قائم ہوگا؟ مولانا ابوذر بخاری کی تقریر نہ ہونے پر مجلس احرار کے رضا کاروں نے کوئی ایسی حرکت نہ کی، جس سے جلسے کو جاری رکھنا مشکل ہوجاتا۔مگر یہاں پر جب مولانا مودودی تقریر جاری نہ رکھ سکے تو جماعت اسلامی کے کارکنوں نے مولانا مفتی محمود کو تقریر کرنے سے روکنے کے لیے ہنگامہ برپا کردیا۔یہ صورت مجھ سے نہ دیکھی گئی اور مایوس ہوکر مسجد سے باہر نکل آیا۔بعد میں معلوم ہوا کہ سٹیج سیکرٹریز علامہ احسان الٰہی ظہیر اور مظفر علی شمسی کی التجائیں اور احرار و خاکسار رضا کاروں کی زبردست کوششوں سے جلسہ جم گیا۔اس دوران مولانا مودودی تو واپس چلے گئے لیکن مولانا مفتی محمود نے جماعت اسلامی کے رضا کاروں کے احتجاج کے باوجود تقریر کی۔اللہ کا کرم یہ ہوا کہ دوسرے دن اخبارات میں اس اختلاف اور صحنِ مسجد میں اس ہنگامہ کا ذکر تک نہ تھا اور شاید حکومت وقت بھی فیصلہ مسلمانوں کے حق میں کر چکی تھی۔اس لیے یہ ہنگامہ نظر انداز کردیا گیا۔ورنہ ایسے حالات کو بہانہ بنا کر تحریک کو نقصان پہنچانے کا احتمال تو تھا۔جماعتیں دین کی سربلندی کے لیے ہوتی ہیں شخصیتوں کے لیے نہیں۔دینی حمیت اور عظیم نصب العین پر شخصیتیں قربان کردی جائیں تو یہ بہت بڑی سعادت اور کامیابی ہوتی ہے۔اگر یہ بات سمجھ میں آجائے تو پھر ہمارے بہت سے مسائل جن سے آج ہمارا سامنا ہے حل ہوسکتے ہیں لیکن ایسا ہوتا نظر نہیں آتا اور یہی ہمارے زوال کا بنیادی سبب ہے۔

۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کا دن جب قادیانیوں کو آئینی طور پر غیر مسلم قرار دیا گیا:

اللہ اللہ کر کے وہ دن ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء بھی آ گیا۔جس کے انتظار میں نہ جانے کب سے ملّتِ اسلامیہ بے چین و بے قرار تھی۔وہ دن جس کے لیے مجلس احرار اسلام کے رہنماؤں اور کارکنوں نے اپنی تمام زندگی صرف کردی تھی۔مجلس احرارِ اسلام نے ۱۹۳۰ء میں تحریک کشمیر، ۱۹۳۴ء میں قادیان میں تحریک اور پھر ۱۹۵۳ء کی تحریکِ مقدس تحفظ ختم نبوّت میں بے پناہ قربانیاں دیں۔دس ہزار مسلمان شہید ہوئے، ہزار جیلوں میں قید ہوئے اور بالآخر قادیانیوں کے اصل چہرے کو بے نقاب کرنے میں کامیاب و کامران ہوئے۔قیام پاکستان سے پہلے مسلم لیگ کے اکابر نے قادیانیوں کو اپنے کندھوں پر اٹھایا ہوا تھا۔ان کے بارے میں یہ پروپیگنڈا کیا گیا کہ وہ مسلمان ہیں اور چودھری سر ظفر اللہ قادیانی کو آل انڈیا مسلم لیگ میں مرکزی رہنما کے طور پر شامل کیا گیا تاکہ یہ تاثر عام ہو کہ قادیانی مسلمان ہیں۔

۱۹۵۶ء کے آئین پر بھی مسلمانوں نے احتجاج کیا تھا کہ آئین میں یہ تو ہے کہ پاکستان کا صدر اور وزیر اعظم

لازمی طور پر مسلمان ہوگا، لیکن آئین اس بات کو واضح نہیں کرتا کہ آئین کی نظر میں مسلمان کون ہے؟ ایسے حالات میں جب کہ پاکستان کے اندر وہ گروہ بھی موجود ہے جو اپنے آپ کو مسلمان اور پوری اُمتِ مسلمہ کو کافر کہتا ہے۔ حالانکہ وہ دین اسلام کے بنیادی عقیدہ، عقیدۂ ختمِ نبوّت کا منکر و باغی ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مرزا قادیانی کو نبی مانتا ہے۔

۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو آئین نے مسلمان کی تعریف کرتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی بھی شخص کو نبی ماننے والوں کو خارج از اسلام قرار دے دیا۔ اس طرح مسلمانوں کے ۱۹۵۶ء کے آئین پر احتجاج کو تسلیم کرتے ہوئے مجلس احرار اسلام کے دیرینہ مطالبہ کو تسلیم کر لیا گیا۔ اس لیے سب سے زیادہ خوشی مجلس احرار اور اُن کے کارکنوں کو ہوئی۔ مجلس احرار کے قائد مولانا سید ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس اقدام پر مبارک باد کا پیغام بذریعہ ٹیلی گرام اُس وقت کے وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کو پہنچایا اور ایک خصوصی اجتماع میں حکومت کے اس اقدام کو ملّت اسلامیہ کے لیے نیک فال اور شہداءِ ختمِ نبوّت و اکابر احرار کی قربانیوں کا ثمرہ قرار دیا۔ مجلس احرار اسلام نے مختلف شہروں میں کانفرنسیں منعقد کر کے حکومت کو اس مبارک کام پر خراج تحسین پیش کیا کہ اس سے شہدائے ختمِ نبوّت ۱۹۵۳ء کی روح کو تسکین حاصل ہوئی ہے جو ناموسِ رسالت کے تحفظ کے مقدس فریضہ کو سرانجام دیتے ہوئے اپنی جانوں پر کھیل گئے۔

سن چوہتر تھا ترپن کی صدائے باز گشت
جس میں خالد ہو گئے احرار آخر شاد کام

محفل ہوٹل میں سات دن تک تواتر کے ساتھ مٹھائی تقسیم ہوتی رہی۔ ہر آنے والا دوست مٹھائی لے کر آتا اور اس طرح ایک جشن کا سا ماں کئی دنوں تک جاری رہا۔ شہر میں بھی یہی ہوتا رہا۔ اس تاریخی اعلان کو پوری قوم نے ایک جشن کی صورت میں منایا۔

امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر میلے کا سا ماں تھا۔ مختلف شہروں سے لوگوں نے جلوس کی صورت میں ملتان پہنچ کر امیر شریعت کے مزار پر حاضری دی۔ مجلس احرار اسلام نے ایک مرکزی تقریب ۹ ستمبر ۱۹۷۴ء کو مزارِ امیر شریعت کے احاطے میں منعقد کی جس سے قائد احرار مولانا سید ابوذر بخاری نے خطاب کیا۔ مزار پر احرار کیمپ لگا رہا، قرآن خوانی ہوتی رہی اور غریبوں میں کھانا تقسیم ہوتا رہا۔ قومی رہنما بھی مزار پر حاضری دیتے رہے جن میں مولانا مفتی محمود، مولانا غلام غوث ہزاروی اور عبدالولی خان خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، تقریباً ایک ماہ تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ یہ سب کچھ اس لیے ہوتا رہا کہ امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی پوری زندگی قادیانیوں کا تعاقب کیا اور اکابر احرار، رضا کارانِ احرار اس میدان میں اُن کی قیادت میں ہر مشکل اور صعوبت کو صبر و تحمل کے ساتھ برداشت کرتے رہے۔ اُس وقت بھی مجلس احرار نے یہ مقدس فریضہ سرانجام دیا جب ملک کی سیاسی اور دینی قیادتیں صرف جمہوریت کی بحالی کے لیے مارشل لا کے خلاف برسرِ پیکار تھیں اور قادیانیوں کے لیے اُن کی زبانیں گُنگ تھیں۔ جماعت احرار کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ انھوں نے انگریز کی غلامی کے خلاف بڑی جرأت اور بہادری کے ساتھ جنگ لڑی۔ آزادی کی تحریک میں مجلس احرار اسلام کے قائدین اور رضا کاران احرار کا بہت بڑا حصہ ہے۔ یہ احرار کا نصب العین اور جدوجہد کا مقصدِ عظیم تھا کہ انگریز کو ہندوستان سے نکالو۔ اس کے نکلتے ہی اقوام عالم آزاد ہوں گی۔ چنانچہ اس مقصد میں بھی احرار کو کامیابی ملی

ہوئی اور دوسرا نصب العین تھا قادیانیوں کو آئینی طور پر غیر مسلم اقلیت دلانا۔ چنانچہ اس مقصد میں بھی بالآخر کامیاب و کامران ہوئے۔ احرار اسلام، پاکستان و ہند کی وہ واحد تنظیم اور تحریک ہے کہ جس نے اسمبلی میں جائے بغیر اپنے دونوں مقاصد کو حاصل کیا اور تیسرے مقصد کہ اللہ کی زمین پر اللہ کی حکمرانی کے لیے جدوجہد کر رہی ہے۔ اس میں بھی ان شاء اللہ مجلس احرار اسلام انتخابی سیاست سے الگ رہ کر کامیابی حاصل کرے گی۔ یہ کامیابیاں محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہے جس نے مجلس احرار اسلام کو ایسے قائد عطا کیے کہ جن کا نام لب پر آتے ہی دل و دماغ اُن کے احترام میں سرنگوں ہو جاتے ہیں اور فضا میں ارتعاش محسوس ہوتا ہے، دل جذبۂ حریت کے تقدس میں ڈوب جاتا ہے۔ تصور و تخیل میں جرأت و حمیت اکابر احرار کا طواف کرتی نظر آتی ہے اور خیال غیرت کا دامن تھامے قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی سمت کشاں کشاں لے جاتا ہے کہ جن کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اکابرِ احرار اور رضا کارانِ احرار نے سرزمین پاک و ہند پر اپنی قوتِ ایمانی سے جانفشانی، ایثار و قربانی کے وہ نقوش چھوڑے ہیں کہ رہتی دنیا تک یہ نقوش اہلِ ایمان کے لیے مشعلِ راہ بن کے انھیں کچھ کر گزرنے پر اُکساتے رہیں گے اور حق و صداقت پر مر مٹنے کا درس دیتے رہیں گے۔ چاہے زمانہ ہزار کروٹ بدل لے، تاریخی تحریفات اپنی مصلحتوں کا دل رکھنے کے لیے تاریخ کا چہرہ مسخ کرنے کی جتنی چاہے کوشش کر لیں، یہ اپنی جگہ پر ایک ایسی حقیقت ہے جس سے کوئی ذی شعور انکار تو کیا، انکار کا تصور بھی نہیں کر سکتا کہ احرار کا یہ قافلۂ اہل جنوں محض اللہ کی توفیق اور عنایت سے جبر کی ہر قوت سے دیوانہ وار لڑ گیا۔ نتائج کی پروا نہ کرتے ہوئے وقت کی سولی پر رقص کر گیا لیکن ظالموں کی ستم رانیوں کے آگے سرنگوں نہ ہوا۔ سطوت فرنگ، احرار کے حریت پناہ ارادوں کو مسخر نہ کر سکی۔ سیم و زر کی چمک اُن کی عقابی نگاہوں کو خیرہ کرنے میں ناکام رہی۔ اُن کے پرشکوہ عزائم کی تپش سے دشمن موم کی طرح پگھل گئے اور بالآخر یہ قافلۂ حق و صداقت اپنی بے سروسامانیوں کے باوجود اپنی منزل مقصود یعنی آزادی تک پہنچ کر ہی رکا۔ اس وطن کو آزادی سے ہم کنار کرنے اور قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوانے کے لیے تحریک ختمِ نبوّت ۱۹۵۳ء میں ہزاروں رضا کارانِ احرار نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔ نہ جانے کتنی جوانیاں موت کی ہولناک اور مہیب وادی سے گزرتی ہوئی راہِ ابد کو روانہ ہو گئیں۔ قید و بند، تعزیر و سلاسل کے نہ جانے کتنے سلسلے راہ میں روکاٹ بنے لیکن یہ احرار جانباز جنھیں غلامانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اپنے عظیم مقصد اور نصب العین کے لیے سینہ سپر رہے اور اپنے مقدس خون سے وقت کی پیشانی پر یہ تحریر لکھ گئے:

ہم زینتِ فسانۂ جاناں بنے رہے جذب و جنون و عشق کا عنواں بنے رہے
زیرِ قدم رہا ہے حوادث کا سلسلہ یوں جرأتوں کا شعلۂ پُرّاں بنے رہے

ہمارے ہاں جماعتوں کی کامیابی و ناکامی کا معیار ہی سرے سے غلط ہے۔ سمجھا یہ جاتا ہے کہ وہ جماعت کامیاب ہے جو اسمبلی میں سیٹیں حاصل کر کے حکومت بنائے۔ وزارتوں تک پہنچے، مگر یہ معیار غلط ہے۔ دراصل کامیاب وہ جماعت ہے جس کو اپنے مؤقف کی صداقت پر لازوال یقین ہو اور جسے یہ نعمت حاصل ہو وہ پوری دنیا سے لڑ جاتا ہے

مجلس احرار کا یہی طرۂ امتیاز ہے کہ وہ اپنے مؤقف کی صداقت پر یقین رکھتے ہوئے عزمِ کامل کے ساتھ اس پر قائم ہے کہ اصل کامیابی ثبات میں ہے

تشکیلِ نو میں میری ہے میرے جنوں کا ہاتھ میرا شکوۂ ذات ہے میرے ثبات میں

شکیل عثمانی

جناب بشیر احمد مرحوم..... چند یادیں، چند باتیں

ممتاز محقق، مصنف اور دانش ور جناب بشیر احمد مرحوم گزشتہ سال 4 رجنوری 2014ء کو راولپنڈی میں انتقال کر گئے تھے۔ان کے مختصر احوال اس طرح ہیں کہ یکم جنوری 1941ء کو راولپنڈی میں پیدا ہوئے۔انہوں نے 1965ء میں پنجاب یونیورسٹی سے معاشیات میں ایم اے کیا۔ چند سال تک حشمت علی اسلامیہ کالج سمیت راولپنڈی کے مختلف نجی کالجوں میں معاشیات کے استاد رہے۔ 1974ء میں فیڈرل پبلک سروس کمیشن کا امتحان پاس کیا اور مختلف وفاقی اداروں سے منسلک رہے۔1983ء میں انہوں نے فلیچر اسکول آف لا اینڈ ڈپلومیسی، مڈفورڈ، بوسٹن (امریکہ) سے لا اینڈ ڈپلومیسی میں ایم اے کیا۔وہ 2001ء میں منسٹری آف کامرس کے انٹرنیشنل ٹریڈ ونگ کے ڈپٹی چیف کے طور پر ریٹائر ہوئے۔ان کا خصوصی موضوع اسلام دشمن تحریکوں کا مطالعہ تھا۔اب تک جناب بشیر احمد کی مندرجہ ذیل تالیفات اور تصنیفات شائع ہو چکی ہیں:

1- قادیان سے اسرائیل تک
2- بہائیت: اسرائیل کی خفیہ سیاسی تنظیم
3- فری میسنری: اسلام دشمن خفیہ یہودی تنظیم
4- بائبل کا تحقیقی جائزہ
5- اقبال اور قادیانیت: تحقیق کے نئے زاویے
6- Ahmadiyyah Movement British-Jewish Connection
7- Pakistan and the world Trade Organisation

جناب بشیر احمد سے میرے مراسم تقریباً بیس سال پر محیط تھے۔ان سے تعارف کا ذریعہ معروف اسکالر ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ بنے۔1990 کی دہائی میں میرا اکثر ادارۂ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد کی لائبریری جانا ہوتا تھا جہاں ''بے سمت'' مطالعہ میرا مشغلہ تھا۔مطالعے کے بعد ڈاکٹر غازی سے جو اُن دنوں ادارے سے بطور ریسرچ اسکالر وابستہ تھے ''حاصل مطالعہ'' پر تبادلہ خیال کرتا۔ میں ڈاکٹر صاحب کا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا کہ اپنی مصروفیت کے باوجود انہوں نے مطالعے میں میری رہنمائی فرمائی۔انھی دنوں کی بات ہے کہ لائبریری میں ایک کتاب ''قادیان سے اسرائیل تک'' پر نظر پڑی جس کے مصنف مولانا سمیع الحق تھے۔قادیانیت پر علامہ اقبال اور شورش کاشمیری کی تحریریں پڑھنے کے بعد یہ تاثر میرے ذہن پر مرتسم ہو گیا تھا کہ قادیانیت اصلاً مذہبی نہیں بلکہ سیاسی تحریک ہے جس کا مقصد برصغیر میں برطانوی اقتدار کو الہامی سند فراہم کرنا تھا، اس لیے اس کتاب کا دلچسپی سے مطالعہ کیا۔اس میں ایک نئے زاویے سے قادیانیت کا جائزہ لیا گیا ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ برطانیہ اور اسرائیل کے قادیانیت سے گہرے روابط ہیں اور ان تینوں قوتوں نے مشترکہ طور پر اسلام دشمن کردار ادا کیا۔کتاب ختم کرنے کے بعد میں نے

غیر معمولی جوش سے ڈاکٹر محمود غازیؒ کو بتایا کہ آج میں نے مولانا سمیع الحق کی کتاب ''قادیان سے اسرائیل تک'' پڑھی اور اس کے مندرجات چشم کشا ہیں۔ یہ سنتے ہی غازی صاحب مسکرائے اور کہا کہ اس کتاب کے مصنف مولانا سمیع الحق نہیں بلکہ ابو مدثرہ ہیں جن سے وہ شخصی طور پر واقف ہیں۔ میرے استفسار پر انہوں نے بتایا کہ ایک وفاقی ڈپٹی سیکریٹری جناب بشیر احمد نے بوجوہ اپنے قلمی نام سے یہ کتاب لکھی ہے۔ جب میں نے ڈاکٹر غازی سے پوچھا کہ کیا میں ان کے حوالے سے بشیر صاحب سے ملاقات کرسکتا ہوں، تو انہوں نے کمالِ شفقت سے اجازت دے دی اور کہا کہ بشیر صاحب اسلام آباد کی اسٹیٹ لائف بلڈنگ میں منسٹری آف کامرس کے ایک ذیلی ادارے انٹرنیشنل ٹریڈ ونگ میں ہوتے ہیں۔ دوسرے دن بشیر صاحب سے ملاقات سے قبل میں نے ایک بار پھر لائبریری سے ''قادیان سے اسرائیل تک'' نکلوائی اور غور سے دیکھا تو بیرونی ٹائٹل پر خفی کتابت میں بسعی و اہتمام اور بسعی و اہتمام کے نیچے جلی کتابت میں مولانا سمیع الحق لکھا ہوا تھا۔ اندرونی ٹائٹل کی بھی یہی کیفیت تھی۔ البتہ عرض مؤلف ابو مدثرہ کی جانب سے تھا۔ اب مجھے اپنی غلط فہمی کا سبب معلوم ہوگیا کہ میں نے کیوں اس کتاب کو مولانا سمیع الحق کی تصنیف سمجھا۔ غالباً اسی غلط فہمی کے سبب ادارۂ تحقیقات اسلامی کی لائبریری کے کیٹیلاگ میں اس کتاب کے مصنف کا نام مولانا سمیع الحق درج ہے۔ یہ تو جملۂ معترضہ ہے۔ بہرحال اسی روز میں نے بشیر احمد صاحب سے ڈاکٹر محمود احمد غازی کے حوالے سے ملاقات کی۔ انہوں نے گرم جوشی سے میرا استقبال کیا۔ ہماری گفتگو قادیانی تحریک اور قادیانی، یہودی روابط کے گرد گھومتی رہی۔ بشیر صاحب نے بتایا کہ 1978ء میں شائع ہونے والی اس کتاب کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ نیا ایڈیشن مجلسِ احرار اسلام ملتان نے شائع کیا ہے۔ یہ بات بعد میں میرے علم میں آئی کہ ان کے احرار رہنماؤں سے مخلصانہ مراسم ہیں۔ انہوں نے مجھے نئے ایڈیشن کا ایک نسخہ عنایت کیا جس پر بطور مؤلف ابو مدثرہ درج تھا اور اس کا پیش لفظ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند اور اُس وقت مجلس احرار اسلام کے سیکرٹری جنرل مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر کیا تھا۔ بشیر صاحب نے میری دلچسپی کو محسوس کرتے ہوئے یہ بھی بتایا کہ اس موضوع پر ان کی انگریزی تالیف Ahmadiyyah Movement: British- Jewish Connections 1994ء میں شائع ہوئی جس کا پیش لفظ ڈاکٹر محمود احمد غازی نے لکھا ہے۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ انگریزی کتاب دفتر لے آئیں گے جہاں میں اسے ان سے حاصل کرسکوں گا۔ غالباً ایک دن کے وقفے سے میں بشیر صاحب کے دفتر پہنچ گیا اور ان سے انگریزی کتاب حاصل کرلی۔ مطالعے سے واضح ہوا کہ یہ ''قادیان سے اسرائیل تک'' کا enlarged Version نہیں ہے بلکہ ایک نئی کتاب ہے جو مؤلف کے وسعتِ مطالعہ اور اخاذ طبیعت کی مظہر ہے۔ اس کتاب میں جناب بشیر احمد نے معروضیت کے تمام تقاضوں کا خیال رکھتے ہوئے قادیانی، برطانوی، یہودی روابط کو ثابت کیا ہے۔ ان کی قادیانی ماخذ تک براہِ راست رسائی تھی اور انہوں نے اس موضوع پر جماعتِ احمدیہ کے اعلیٰ عہدیداروں سے تبادلہ خیال بھی کیا۔ اس کتاب کی تالیف کے دوران بعض احمدیوں نے نام ظاہر نہ کرنے کی شرط پر انہیں قیمتی معلومات فراہم کیں جنہیں انھوں نے پوری چھان پھٹک کے بعد استعمال کیا۔ یہ کتاب اسلامک اسٹڈی فورم راولپنڈی کی جانب سے شائع ہوئی ہے۔ اسلامک اسٹڈی فورم کے جنرل سیکریٹری بشیر صاحب کے چھوٹے بھائی عبدالرشید مرحوم تھے جو روزنامہ نوائے وقت راولپنڈی سے وابستہ تھے۔

اس کے بعد بشیر صاحب سے اکثر ان کے دفتر میں ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ ریڈیو پاکستان اسلام آباد کے شعبۂ خبر کی ملازمت کے دوران میری اکثر رات کی ڈیوٹی ہوتی تھی اس لیے دوپہر میں ان سے ملاقات آسان تھی۔ میں نماز ظہر سے کچھ پہلے ان کے دفتر پہنچ جاتا۔ وہ اپنا لنچ گھر سے لایا کرتے تھے۔ میرے یا کسی اور مہمان کے لیے ہوٹل سے بریانی منگوائی جاتی۔ ان کے پرسنل اسسٹنٹ ضمیر اختر بھی کھانے میں شریک ہوتے تھے۔ ان ملاقاتوں میں باہمی دلچسپی کے موضوعات پر مختصر گفتگو ہوتی۔ مجھے متعدد بار ان کے گھر پر حاضر ہونے کا موقع ملا جہاں ہماری طویل نشستیں ہوئیں۔ بشیر صاحب میرے غریب خانے پر بھی تشریف لائے۔ میری اور بشیر احمد صاحب کی گفتگو عموماً اسلام دشمن تحریکوں پر ہوتی تھی۔ کبھی کبھار حالاتِ حاضرہ بھی زیر گفتگو آ جاتے تھے۔ میں نے ان کا رجحان کسی خاص سیاسی جماعت کی طرف محسوس نہیں کیا۔

جناب بشیر احمد نے ایک ملاقات کے دوران بتایا کہ ان کی اطلاعات کے مطابق جماعتِ احمدیہ کے سربراہ مرزا طاہر احمد کو جب ایک احمدی نے لندن میں ان کی کتاب ''احمدیہ موومنٹ: برٹش۔ جیوش کنکشنز'' پیش کی تو انہوں نے اسے سرسری طور پر دیکھنے کے بعد پوچھا ''یہ ذاتِ شریف کون ہیں؟'' اس احمدی نے ان کا پس منظر بتایا تو مرزا صاحب نے اپنے رفقا سے کہا کہ اس کتاب کا جواب لکھا جائے۔ بشیر صاحب نے کہا کہ ان کی اطلاعات کے مطابق آج تک یہ جواب نہیں لکھا گیا۔ انہوں نے ایک اور موقع پر کہا کہ پاکستان کے علاوہ برطانیہ میں اس کتاب کی بڑی پزیرائی ہوئی۔ مجلس احرارِ اسلام کے موجودہ سیکریٹری جنرل عبداللطیف خالد چیمہ جب بھی لندن جاتے تو اس کتاب کے کئی نسخے ان سے لے جاتے جنہیں وہ متعلقہ حلقوں تک پہنچاتے۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ جناب احمد علی ظفر نے ''تحریکِ احمدیت: یہودی و سامراجی گٹھ جوڑ'' کے عنوان سے کیا ہے جسے ادارۂ اصلاح وتبلیغ آسٹریلیا بلڈنگ، لاہور نے شائع کیا ہے۔

بشیر صاحب نے اپنی دوسری کتابیں بھی مجھے عنایت کیں۔ ان کی کتاب ''بہائیت: اسرائیل کی خفیہ سیاسی تنظیم'' 1993ء میں اسلامک اسٹڈی فورم نے شائع کی۔ اس کے مقدمے میں ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ نے کتاب کا خلاصہ دے دیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

''یہ محض اتفاق نہیں ہے کہ جن دنوں ہندوستان میں قادیانیت کی داغ بیل ڈالی جارہی تھی، ٹھیک انھی دنوں میں ایران میں بہائیت کو پروان چڑھایا جارہا تھا، چونکہ دونوں کے مقاصد ایک تھے اس لیے طریق کار میں بھی حیرت انگیز مماثلت پائی جاتی ہے۔ چونکہ ایران اور برصغیر پاک و ہند کے دو مختلف پس منظر رکھنے والے علاقوں میں ان دو تحریکوں کو کام کرنے کے لیے تیار کیا جارہا تھا، اس لیے تفصیلات میں قدرے اختلاف اور فرق بھی معلوم ہوتا ہے..... فاضل مصنف نے تاریخی حقائق سے ثابت کیا ہے کہ بہائیت اور صہیونیت ایک ہی داستان کی دو مختلف کڑیاں ہیں اور ایک جیسے مقاصد کے لیے کام کررہی ہیں۔'' (ص 12، 13)

''فری میسنری: اسلام دشمن خفیہ یہودی تنظیم'' بشیر صاحب کی ایک معرکہ آرا تالیف ہے۔ یہ 2001ء میں شائع ہوئی۔ اس میں فری میسنری کے آغاز، ارتقا اور مختلف ممالک بالخصوص اسلامی ممالک میں اس کی سرگرمیوں سے بحث کی گئی ہے۔ میری ذاتی رائے میں اردو تو کیا انگریزی میں بھی ایسی کتاب نہیں لکھی گئی۔ اس سے قبل اس موضوع پر ساٹھ کی

دہائی میں مصباح الاسلام فاروقی کی دو کتابیں ''جیوش کانسپریسی اینڈ دی مسلم ورلڈ'' اور ''فری میسنری اے کریٹیکل اسٹڈی'' شائع ہو چکی تھیں جن سے بشیر صاحب نے استفادہ کیا۔ چند ابواب کے عنوانات ملاحظہ ہوں: فری میسنری کا پس منظر' خفیہ یہودی تنظیم' فری میسنری کا سیاسی کردار' احمدیت کے سیاسی اور مذہبی مقاصد اور مسیح موعود [کا تصور]' بہائیت' قادیانی اور بہائی مقاصد میں ہم آہنگی' یہودیوں کے پروٹوکولز' مصر' ترکی اور دیگر اسلامی ممالک میں فری میسنری' این جی اوز' اسماعیلیت' آغا خان فاؤنڈیشن' یہ کتاب بھی اسلامک اسٹڈی فورم راولپنڈی نے شائع کی ہے۔

بشیر صاحب کی ایک اور تالیف ''بائبل کا تحقیقی جائزہ'' 2003ء میں شائع ہوئی۔ اس کے اندرونی ٹائٹل پر کتاب کا چار سطری تعارف اس طرح ہے: بائبل کے ارتقا اور تدوین کی درپردہ داستان' تحریف اور متن میں تبدیلیوں کے شواہد' قدیم نسخوں اور تراجم کا تنقیدی مطالعہ' اسلام عیسائیت اور یہودیت۔ اس کتاب کے عرضِ مؤلف سے بشیر احمد صاحب کی شخصیت کے تشکیلی دور کی ایک جھلک اور چند سوانحی اشارے سامنے آتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''میں نے ابتدائی تعلیم مجددیہ ہائی اسکول بھاٹھڑ خانہ راولپنڈی میں حاصل کی..... تمام اساتذہ دینی اور اخلاقی تربیت پر بہت زور دیتے تھے..... میں نے بائبل کا سرسری مطالعہ مشن ہائی اسکول راولپنڈی میں کیا۔ مزید مطالعے کا موقع گورڈن کالج راولپنڈی اور کرسچن اسٹڈی سینٹر راولپنڈی میں ملا جہاں میرے اساتذہ ڈاکٹر عبدالقیوم ڈسکوی اور پروفیسر یوسف جلیل ہوتے تھے۔ ان سے مختلف موضوعات پر مسیحی نقطۂ نظر کو سمجھنے میں مدد ملی..... امریکہ میں قیام کے دوران عیسائیت' یہودیت اور بائبل پر بہت سی کتابیں دیکھیں اور مختلف عیسائی فرقوں کے رہنماؤں سے بات چیت کی۔ میرا ایم اے کا ایک پیپر ''اسلام'' تھا۔ اس سلسلے میں اپنے اساتذہ سید حسین نصر اور پروفیسر مجید خدوری سے اسلام اور عیسائیت کے کئی پہلوؤں پر تبادلہ خیال کیا.....''

ایک دن گفتگو کے دوران بشیر صاحب نے بتایا کہ امریکہ میں قیام کے دوران انہیں جو تعلیمی وظیفہ ملتا تھا اس کا خاصا حصہ وہ عیسائیت' یہودیت اور فری میسنری پر کتابیں خریدنے پر صرف کرتے تھے۔

بشیر احمد صاحب کا ایک انگریزی کتابچہ ''پاکستان اینڈ دی ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن'' 1999ء میں اکنامک ریسرچ سوسائٹی راولپنڈی نے شائع کیا۔ اس میں پاکستان کی ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن میں شرکت کے مضمرات پر بحث کی گئی ہے۔

''اقبال اور قادیانیت: تحقیق کے نئے زاویے'' جناب بشیر احمد کی آخری کتاب ہے۔ یہ بشیر صاحب کی کرم فرمائی تھی کہ نہ صرف اس کا انتساب میرے نام کیا بلکہ عرضِ مصنف میں یہ بھی لکھا: ''اس کتاب کی تصنیف اور اشاعت کا سارا کریڈٹ صدیقی العزیز شکیل عثمانی کو جاتا ہے۔ ان ہی کی تحریک پر اس کا مسودہ تیار کیا گیا اور انہوں نے اس کی ترتیب و تدوین نیز بعض حواشی لکھنے میں از حد محنت کی اور متن میں اہم اضافے کیے۔'' دراصل نوّے کی دہائی میں ایک قادیانی قلم کار شیخ عبدالماجد کی دو کتابیں ''اقبال اور احمدیت'' اور ''فکرِ اقبال اور تحریک احمدیہ'' منظر عام پر آئیں جن میں قادیانی نقطۂ نظر سے علامہ اقبال پر اعتراضات کیے گئے ہیں۔ اس سے قبل شیخ اعجاز احمد نے اپنی کتاب ''مظلوم اقبال'' میں وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے رکن نہ بن سکنے کو علامہ اقبال کے احساسِ محرومی کا سبب قرار دیا اور دعویٰ کیا ''چونکہ سر ظفر اللہ خاں کونسل کے ممبر نامزد ہو گئے اس لیے 1935ء

میں علامہ نے احمدیوں کو غیر مسلم قرار دینے کا مطالبہ کیا۔'' بشیر صاحب نے اپنی کتاب ''احمدیہ موومنٹ: برٹش۔جیوش کنکشنز'' میں احمدیت کے بارے میں علامہ اقبال کا نقطۂ نظر'' قادیانی اور کانگریس'' کے زیرعنوان باب میں'' قادیانیت بے نقاب'' کے ذیلی عنوان کے تحت پیش کیا تھا اور اس ضمن میں مولوی محمد علی لاہوری کے ایسے کتابچے کا حوالہ دیا تھا جو انتہائی کمیاب ہے' اس لیے مجھے یقین تھا کہ وہ شیخ عبدالماجد اور شیخ اعجاز کے اعتراضات کا مناسب جواب لکھ سکیں گے۔ جب میں نے اس موضوع پر بشیر صاحب کو کتاب لکھنے کی تجویز پیش کی تو ان کا کہنا تھا کہ اقبال اکیڈمی یا بزم اقبال کو دونوں ''شیوخ'' کے اعتراضات کا جواب شائع کرنا چاہیے۔ بہرحال خاصی بحث وتمحیص کے بعد انہوں نے ایسی کتاب لکھنے پر آمادگی ظاہر کی جس میں علامہ اقبال پر قادیانیوں کے عمومی اعتراضات کا جواب دیا گیا ہو۔ انہوں نے مختصر عرصے میں کتاب کا مسودہ تیار کرلیا اور میرا تعارف ایس ٹی پرنٹرز راولپنڈی کے جناب مسعود اختر اور جناب محمود اختر سے کرادیا۔ یہ مسودہ ایس ٹی پرنٹرز میں کمپوز ہوا اور وہیں کتاب کی طباعت ہوئی۔ بشیر صاحب کے ارشاد کے مطابق میں نے کتاب کے پروف پڑھے اور اس کا دیباچہ لکھا۔ بشیر احمد صاحب اس کے پروف نہیں پڑھ سکے کیونکہ اس دوران وہ ایک قریبی عزیز کی تیمارداری میں مصروف رہے جن کا بعد کو انتقال ہوگیا۔ ان کے انتقال سے بشیر صاحب اتنے دل گرفتہ ہوئے کہ انہوں نے مجھ سے کہا کہ آپ ہی پروف پڑھیں اور غلطیاں لگوائیں۔ میں نے پروف ریڈنگ کے دوران جہاں ضروری سمجھا متن میں اضافے کیے اور چند حواشی لکھے۔ بہرحال یہ اضافے اور حواشی بشیر صاحب کی Approval کے بعد کتاب میں شامل کیے گئے۔ یہ Approval کبھی بالمشافہ ملاقاتوں میں اور کبھی ٹیلی فون پر حاصل کی گئی۔

''اقبال اور قادیانیت: تحقیق کے نئے زاویے'' کا مقدمہ ڈاکٹر سفیر اختر اور تعارف ڈاکٹر ظفر اللہ بیگ نے لکھا ہے۔ ڈاکٹر سفیر اختر نے کانٹے کی بات یہ کہی کہ احمدیت کے بارے میں علامہ اقبال نے مئی 1935ء میں جو رائے ظاہر کی اس سے احمدیوں کا اختلاف تو سمجھ میں آتا ہے مگر یہ بات عجیب لگتی ہے کہ وہ علامہ کی اس رائے کو آخری اور حقیقی رائے کیوں نہیں سمجھتے اور بار بار علامہ کے ان اِکا دُکا جملوں کا ذکر کرتے ہیں جن پر انہوں نے خود خطِ تنسیخ کھینچ دیا ہے۔

اس کتاب کے چند ابواب کے عنوانات پیش کیے جاتے ہیں' تاکہ قارئین کے سامنے کتاب کی ایک جھلک آسکے:

خاندانِ اقبال اور قادیانیت' بانیٔ قادیانیت کے متعلق اقبال کی ابتدائی تحریر' علامہ اقبال عملی سیاست میں' علامہ نے قادیانیت کے خلاف مضامین کیوں لکھے؟' کیا علامہ اقبال نے قادیانیت کے خلاف اس لیے مضامین لکھے کہ وہ وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے رکن نہیں بن سکے؟ قادیانیت کے حقیقی خدوخال' علامہ اقبال کے بیان پر قادیانی جرائد کے تبصرے اور پنڈت نہرو کے خطوط۔

کتاب کے چوتھے اور آٹھویں باب کے حواشی انتہائی اہم ہیں۔ چوتھے باب کے حواشی میں حکیم نورالدین کی عربی دانی اور احمدیت کی بہائیت سے خوشہ چینی پر روشنی ڈالی گئی ہے' جبکہ آٹھویں باب کے حاشیہ نمبر 8 میں قادیانی لٹریچر سے ثابت کیا گیا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے اعلیٰ تر نبوت کا دعویٰ کیا۔

جناب بشیر احمد کی اس کتاب کی وسیع پیمانے پر پزیرائی ہوئی۔ ملک کے متعدد ممتاز اخبارات اور رسائل نے اپنے تبصروں میں اس کی تحسین کی۔ ان جرائد میں روزنامہ جنگ لندن، روزنامہ نوائے وقت لاہور' روزنامہ نئی بات لاہور، ماہنامہ نقیب ختم نبوت

ملتان، ماہنامہ لولاک ملتان، ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور، ماہنامہ سیارہ لاہور، شش ماہی نقطۂ نظر اسلام آباد، ششماہی اقبالیات لاہور، سہ ماہی اقبال لاہور، ہفت روزہ فرائیڈے اسپیشل کراچی، ہفت روزہ ختم نبوت کراچی اور ہفت روزہ تکبیر کراچی شامل ہیں۔ ''سیارہ'' میں حکیم سرور سہارن پوری صاحب کے تبصرے کے علاوہ ڈاکٹر مقبول الٰہی صاحب کا مضمون بھی شامل ہوا جس میں مرزا غلام احمد قادیانی کی ''ہندوستانی'' عربی پر گفتگو کی گئی ہے۔ مضمون کی تمہید میں بشیر صاحب کی کتاب کا وہ حوالہ دیا گیا ہے جس میں حکیم نورالدین کے اس القاء کا ذکر ہے جو مہمل عربی میں ہے۔ ڈاکٹر مقبول الٰہی صاحب نے کتاب کی تحسین کرنے کے علاوہ قادیانیت کے حوالے سے چند واقعات بھی بیان کیے ہیں اور لکھا ہے کہ ان کے عربی کے استاد اور نامور عرب ادیب محمد العربی الہلالی المراکشی نے مرزا غلام احمد قادیانی کی عربی کتاب ''اعجاز المسیح'' کے ٹائٹل پر ہی سات غلطیوں کی نشاندہی کی (ملاحظہ ہو سیارہ اشاعتِ خاص-56)۔ ممتاز اقبال شناس ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے میرے نام ایک خط میں بشیر صاحب کی اس کاوش کی تعریف کی۔ جب میں نے اس خط کی عکسی نقل بشیر صاحب کو پیش کی تو انہوں نے کہا کہ جتنے تبصرے ''اقبال اور قادیانیت'' پر ہوئے ان کی کسی اور کتاب پر نہیں ہوئے۔ اس پر میں نے عرض کیا کہ اس میں کتاب کی Worth کے علاوہ خاکسار کی پبلک ریلیشنگ کا بھی دخل ہے۔ بشیر صاحب نے مسکراتے ہوئے میری بات کی تائید کی۔ انہوں نے ڈاکٹر ہاشمی صاحب کی رائے پر ممنونیت کا اظہار بھی کیا۔

''اقبال اور قادیانیت'' بشیر احمد صاحب مرحوم کی آخری کتاب ہے جو 2006ء میں شائع ہوئی اور ان کا انتقال 4/ جنوری 2014ء کو ہوا۔ اس دوران وہ اپنی دلچسپی کے مختلف موضوعات پر مطالعہ کرتے رہے۔ جہاں تک تحریری کام کا تعلق ہے تو میرے اور ان کے درمیان اتفاقِ رائے ہوا کہ آغا خانیوں (اسماعیلیوں) کے سیاسی کردار پر کتاب مرتب کی جائے اس موضوع پر کتابیں جمع کرنے کا آغاز ہوا۔ ''نورِ مبین'' کی عکسی نقل حاصل کی گئی۔ فرہاد دفتری کی کتابیں اُن کے پاس پہلے ہی تھیں۔ جوہن نارمن ہولسٹر کی کتاب Shia of India، مہر بوس کی کتاب ''دی آغا خانز''، ڈاکٹر زاہد علی کی کتابیں ''ہمارے اسماعیلی مذہب کی حقیقت اور اس کا نظام'' اور ''تاریخِ فاطمینِ مصر''، آغا خاں سوکی "Memories"، جوزف فان ہیمر۔ پرگسٹال کی "The History of th Assassins"، سید تنظیم حسین کی تالیفات اور منحرف آغا خانیوں کی کتابیں بھی مل گئیں۔ حصولِ کتب کا مرحلہ جاری تھا کہ بشیر صاحب کو بلڈ پریشر، شوگر اور قلب کے عوارض لاحق ہو گئے۔ اُن کی علالت کا سلسلہ جنوری 2014ء تک جاری رہا۔ اگرچہ اس میں نشیب و فراز آتے رہے۔ میرا خیال ہے کہ علالت سے پیدا ہونے والی عدم یک سوئی کے سبب وہ کوئی تحریری کام نہیں کر سکے۔ بہرحال میں شخصی ملاقاتوں میں ان پر زور دیتا رہا کہ کسی بھی موضوع پر کام شروع کریں۔ برادرم عبداللطیف خالد چیمہ، کرنل (ر) ڈاکٹر محمد حامد اور چند دوسرے احباب بھی انھیں اس جانب متوجہ کرتے رہے۔ میں نے اور برادرم خالد چیمہ نے جناب بشیر احمد مرحوم سے ایک مشترکہ ملاقات اسی غرض سے کی، لیکن یہ ملاقات بے نتیجہ رہی۔

مضمون کا اختتام کرتے ہوئے میں بشیر صاحب کی مغفرت کے لیے دعا گو ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کی علمی خدمات کو شرفِ قبولیت بخشے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

(بشکریہ: فرائیڈے اسپیشل، کراچی) 28/ مارچ تا 4/ اپریل 2014ء

حُسنِ انتقاد

تبصرہ کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

● **نام کتاب:** انسائیکلو پیڈیا سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ　　**مؤلف:** صاحبزادہ پیر طارق محمود نقشبندی

ضخامت: ۱۴۰۶ صفحات　　**ناشر:** الاسلام پبلشرز　　**قیمت:** درج نہیں

ملنے کا پتہ: دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان 061-4511961

خلیفۂ راشد سیدنا امیر معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما ان مظلوم صحابہ میں سے ہیں جن پر سب سے بڑھ کر غبار ڈالا گیا۔ بے رحم ناقدین نے تاریخ کا سہارا لے کر ان گنت بہتان لگائے۔ یہاں تک معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام حلم وصبر کا استعارہ بن گیا۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابت وحی کی نازک اور عظیم ترین ذمہ داری ان کے سپرد کر کے ان کے عادل اور امین ہونے کی گواہی دی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے خاص فضل وکرم سے ہر دور میں ایسے علماءِ حق پیدا ہوتے رہیں گے جو دین کی ان مقدس ہستیوں سے غبار ہٹا کر ان کا روشن چہرہ اُمّت کے سامنے پیش کرتے رہیں گے۔ ماضی قریب میں ایک عالم دین مجددِ سیرت وتاریخ ایسے گزرے ہیں جو خود فرماتے ہیں کہ میں نے سند فراغت کے بعد سولہ برس تک سیرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا مطالعہ کیا اور اس دوران اس موضوع پر بیان نہیں کیا۔ انھوں نے تواریخ کے ورق ورق کو کھنگالا، سبائیوں تبرائیوں کے اعتراضات کا بغور مطالعہ کیا اور بقیہ ساری زندگی کا وظیفہ تذکار سیرت صحابہ خصوصاً سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو بنالیا۔ دنیا اُنھیں جانشین امیر شریعت مولانا سید ابومعاویہ ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے جانتی ہے۔

حضرت سید ابومعاویہ ابوذر بخاریؒ فرماتے ہیں:

''موجودہ دور کے لحاظ سے فتنوں کے سیلاب کے وقت میں انتہائی ضروری اور بعض لوگوں کے نقطۂ نگاہ سے جن کے ایمان دیمک چاٹ گئی ہے اور جن کی روحانیت کا شجرہ تباہ و برباد ہو چکا ہے، ان کے نقطۂ نگاہ سے سیرتِ معاویہؓ بہت خطرناک موضوع ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ رگِ جاں ہے، ضرورت ایمان ہے، علامتِ ایمان ہے، بنیادِ ایمان ہے۔''

حال میں ایک جواں ہمت، مردِ حق گو، صاحبزادہ پیر طارق محمود نقشبندی صاحب نے ''انسائیکلو پیڈیا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ'' مرتب کر کے دادِ تحسین وصول کی ہے۔ جناب موصوف کا یہ انسائیکلو پیڈیا ۱۸۸ ابواب پر مشتمل ہے۔ آپ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت کے ہر ایک پہلو کے لیے ایک مستقل باب قائم کیا ہے اور اپنے اچھوتے انداز میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت پر روشنی ڈالی ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف کتاب کی مساعی جمیلہ کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور ان کو اس موضوع پر مزید کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور آخرت میں لواءِ حمد کا سایہ نصیب فرمائے۔

● **نام کتاب:** حضرت امام مہدی اور اُن کا لشکر　**مصنف:** مولانا ابن سلطان محمود صاحب مدظلہٗ　**ضخامت:** ۲۷۶

ناشر: حضار اتحقیقات اسلامی پاکستان　**قیمت:** درج نہیں　**ملنے کا پتہ:** حضار اتحقیقات اسلامی پاکستان

حضرت امام مہدی علیہ السلام کی آمد قیامت کی علامت قریبہ میں سے ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مہدی کے بارے میں وسیع معلومات عطاء فرمائیں ہیں۔ مثلاً اُن کا نام محمد ہوگا، اُن کے والد کا نام عبداللہ ہوگا، اُن کی والدہ کا نام آمنہ ہو گا۔ وہ حسینی سید ہوں گے۔ غرض نام ونسب سے لے کر اُن کی بیعت وخلافت اور احوال زمانہ واقوام سب حدیث کی معتبر کتب میں درج ہیں۔ اس قدر وسیع معلومات دینے کا مقصد بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح کچھ ضمیر فروشوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ارشادات کو غلط معانی دیے اور عوام کو دھوکا دے کر اپنی دکان چمکائی۔ اس کباڑ خانہ میں کچھ ایسے بھی ہیں جنھوں نے ایک اور مقدس ہستی حضرت مہدی علیہ السلام کو اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کیا ہے..... فرق ضالہ مثلاً: ذکری فرقہ، قادیانی فرقہ اور امامیہ فرقہ میں سے ہر ایک نے امام مہدی کی مقدس شخصیت کو دوسرے مختلف انداز میں بیان کیا ہے۔ مثال کے طور پر مؤخر الذکر فرقہ نے امام مہدی کا جو تعارف کر دیا ہے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں:

''خلاصہ یہ ہے کہ آلِ رسول میں پیدا ہونے والے جس مہدی کا تعارف امامیہ دین میں ہے وہ ثابت نہیں اور جو علامتیں امامیہ دین میں اس کی لکھی گئی ہیں وہ دجال میں ہیں۔ پھر جس دجال کا ذکر سنی لوگ کرتے ہیں شیعہ کہتے ہیں اس نام کا کوئی شخص ہے ہی نہیں۔ بلکہ یہ تو ایک صفت ہے جو حکومتوں میں پائی جاتی ہے۔ اب آپ جان چکے ہوں گے کہ امامیوں نے جس کا تعارف مہدی کے نام سے کر دیا ہے وہ کون ہے؟

مصنف کتاب ابن سلطان محمد مدظلہٗ نے اپنے اچھوتے انداز تحریر میں مذکورہ فرقہ ضالہ کی گمراہ کن اور مکر وفریب پر مشتمل تشریحات عوام کے سامنے پیش کی ہے تا کہ مسلمان ان تاریکیوں سے بچتے ہوئے صراط مستقیم پر قائم رہیں۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مصنف کی مساعی جمیلہ کو شرف قبولیت عطا فرمائیں اور ان کو مزید علمی کام کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)　**(مبصر: مفتی نجم الحق)**

ماہانہ مجلس ذکر واصلاحی بیان

ابن امیر شریعت
حضرت پیر جی
سید عطاء المہیمن بخاری
دامت برکاتہم
(امیر مجلس احرار اسلام پاکستان)

29 جنوری 2014ء
جمعرات بعد نماز مغرب

دارِ بنی ہاشم
مہربان کالونی ملتان

نوٹ: ہر انگریزی ماہ کی آخری جمعرات کو بعد نمازِ مغرب مجلسِ ذکر واصلاحی بیان ہوتا ہے

الداعی سید محمد کفیل بخاری ناظم مدرسہ معمورہ دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان 061-4511961

ادارہ

اخبارُالاحرار

(رپورٹ حکیم حافظ محمد قاسم، چیچہ وطنی، ۱۴ر دسمبر) عالمِ اسلام کی فکری ونظریاتی رہنمائی کرنے والی چند ممتاز شخصیات میں برطانوی عالم دین مولانا محمد عیسیٰ منصوری کا بڑا نام ہے، مولانا منصوری، مولانا زاہد الراشدی کے قائم کردہ ''ورلڈ اسلامک فورم'' کے چیئرمین ہیں اور لندن میں بیٹھ کر پوری دنیا کے سرکردہ رہنماؤں سے رابطے میں رہتے ہیں، وہ جب بھی پاکستان تشریف لاتے ہیں تو مختلف اور منتخب حلقوں کو رونق بخشتے ہیں، گزشتہ دنوں تقریباً دو ہفتوں کے لیے تشریف لائے اور ناسازی طبع کے باوجود لاہور، ملتان، چیچہ وطنی، راولپنڈی، اسلام آباد، آزاد کشمیر اور گوجرانوالہ میں ''عصر حاضر میں دینی حلقوں کی ذمہ داریاں'' کے موضوع پر خوب رہنمائی فرمائی۔ 14۔ دسمبر اتوار کو ملتان سے واپس لاہور جاتے ہوئے جناب پروفیسر ڈاکٹر عبدالماجد (پنجاب یونیورسٹی) کی معیت میں چیچہ وطنی تھوڑے وقت کے لیے رُکے۔ چیچہ وطنی میں مجلس احرارِ اسلام پاکستان کے سیکرٹری جنرل جناب عبداللطیف خالد چیمہ کی دعوت پر وہ تشریف لائے جہاں حافظ محمد عابد مسعود اور جناب محمد آصف چیمہ نے عُجلت میں بائی پاس پر تاج محل ہوٹل میں احرار تھنکر زفورم کے زیر انتظام ایک نشست کا اہتمام کیا۔ جناب عبداللطیف خالد چیمہ نے مولانا منصوری کے اعزاز میں منعقدہ استقبالیہ میں خُطبۂ استقبالیہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ مولانا محمد عیسیٰ منصوری لندن میں بیٹھ کر ورلڈ اسلامک فورم کے ذریعے پوری دنیا کے مسلمانوں کو فکری ونظریاتی رہنمائی فراہم کررہے ہیں، انہوں نے کہا کہ مولانا عیسیٰ منصوری نے ہمیں برداشت، تحمل اور بصیرت کا سبق پڑھایا ہے اور ہم نے ان سے بہت کچھ سیکھا ہے، انہوں نے کہا کہ میں جب برطانیہ جاتا ہوں تو مولانا عیسیٰ منصوری ہمیں آج کے حالات کے تناظر میں اجتماعی جدوجہد کے ہُنر سکھاتے ہیں، اِن کی تحریر وتقریر میں اُمت کی زبوں حالی کا ذِکر بھی ہوتا ہے اور آئندہ کے لیے فکر بھی! انہوں نے کہا کہ یہ میرے استاد اور محسن ہیں، انہوں نے کہا کہ مجلس احرارِ اسلام ہر اس فورم کی قدر تی حلیف ہے جو قرآنی تعلیمات کی ذریعے انسانیت کی فلاح کے لیے کوشاں ہے، مولانا محمد عیسیٰ منصوری نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اسلام ایک آفاقی نظریۂ حیات ہے اور اِسی نظریے میں انسانیت کی فلاح مضمر ہے، اُمت مسلمہ اپنے وقار کو بحال اور اقتدار کو قائم کرنے کے لیے دورِ حاضر کے اسلوب کو سمجھے، علماء کرام اور دینی طبقات فکری وتہذیبی یلغار کا مقابلہ کرنے کے لیے جذباتیت ترک کرکے دشمن کے طریقۂ کار اور طریقۂ جنگ کا ادراک کریں۔ مختلف دینی وسیاسی جماعتوں کے کارکنوں اور شہر کی ممتاز شخصیات اور صحافیوں نے تقریب میں شرکت کی۔ مولانا محمد عیسیٰ منصوری نے کہا کہ اس وقت اُمت کو جو چیلنجز درپیش ہیں، اِن میں فکری ونظریاتی اور تہذیبی وتمدنی چیلنجز نے بے پناہ مشکلات پیدا کردی ہیں اور ہم من الحیث المجموع سطحیت اور جذباتیت کا شکار ہیں، اور مخالف یا دشمن ہماری جذباتیت سے فائدہ اٹھا کر ہمیں دور دھکیل رہا ہے، انہوں نے علماء کرام اور دینی رہنماؤں پر زور دیا کہ وہ دورِ حاضر کے چیلنجز سے نمٹنے کے لیے عالمی صورتحال کا بغور مطالعہ کریں، جائزہ لیں اور دشمن کے ہتھیار سے آشنائی پیدا کریں، پھر اپنی حکمت عملی طے کریں۔ انہوں نے کہا کہ اس وقت عالم اسلام کو ایک نئی صف بندی کی ضرورت ہے اور اس ضرورت اور خلا کو پُر کرنے کے لیے حکمت وتدبر اور بصیرت کی ضرورت پہلے سے کہیں بڑھ گئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ مجلس احرارِ اسلام اور تحریک تحفظ ختم نبوت کی قیادت تحفظ ختم نبوت اور رَدِّ قادیانیت کے لیے جو کردار کررہی ہے یہ لائق تحسین ہے، لیکن یہ بات پیش نظر رہے کہ جب پاکستان میں 1984ء میں امتناع قادیانیت ایکٹ کے نفاذ سے قادیانیوں کو اسلامی شعائر کے استعمال سے قانوناً روک دیا گیا تو مرزا طاہر پاکستان سے فرار ہوکر لندن ہی میں پناہ گزین ہوا تھا۔ انہوں نے

کہا کہ قابل غور پہلو یہ ہے کہ فتنۂ مرزائیہ سمیت تمام فتنوں کی آبیاری بین الاقوامی اداروں میں ہورہی ہے۔انہوں نے سوال کیا تو پھر ہم اس لابنگ سے کیوں غافل ہیں،انہوں نے کہا کہ قادیانیوں کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ ہمارے شعائر،علامات استعمال کر کے دنیا کو دھوکہ دیں،انہوں نے کہا کہ برصغیر میں قادیانیوں کو اُمت مسلمہ سے الگ کرنے کا پہلا مطالبہ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال کا تھا ہم نے اقبال کے اس مطالبے پر اکتفا کرلیا ورنہ علماء کا مؤقف تو ان کو مرتد قرار دینے کا تھا،انہوں نے کہا کہ کمیونزم کو شکست ہو چکی اب سرمایہ دارانہ نظام اپنی ناکامیوں کو چھورھا ہے،انہوں نے کہا کہ مظلوم اقوام میں شعور کی روشنی پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمارا انفرادی واجتماعی شعور بیدار ہوگا تو تمام مسائل حل ہونا شروع ہوجائیں گے۔

☆ 24/دسمبر بدھ کو بعد نماز مغرب جامعہ انوریہ مسجد نور ہائی سٹریٹ ساہیوال کا سالانہ جلسہ اور 35 حفاظ کرام کی دستار بندی کی تقریب قاری بشیر احمد رحیمی اور قاری عتیق الرحمٰن کی میزبانی میں منعقد ہوئی جس سے مجلس احرارِ اسلام پاکستان کے سیکرٹری جنرل عبداللطیف خالد چیمہ اور ممتاز عالم دین مولانا ظفر احمد قاسم نے خطاب کیا۔عبداللطیف خالد چیمہ نے کہا کہ سانحۂ پشاور میں معصوم جانوں کے خون سے ہولی کھیلنے والے ہرگز مسلمان نہیں ہوسکتے ،اُن کو تو انسان کہنا بھی انسانیت کی توہین ہے۔مولانا ظفر احمد قاسم نے کہا کہ قرآن کریم پڑھنے پڑھانے والے اللہ کے دین کے سپاہی ہیں اور پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں،مدارس اور مذہبی طبقات کے خلاف ہرزہ سرائی دین دشمنی کی مظہر ہے۔

لاہور/ملتان/چیچہ وطنی (رپورٹ: شاہد حمید) مجلس احرار اسلام پاکستان کے سیکرٹری جنرل عبداللطیف خالد چیمہ نے 28۔نومبر کو گوجرانوالہ میں پاکستان شریعت کونسل کے سیکرٹری جنرل مولانا زاہد الراشدی سے ملاقات کی اور دینی وقومی امور پر تبادلہ خیال کیا ،بعدازاں جامع مسجد المعمور ناگڑیاں (گجرات) میں حضرت قائد احرار سید عطاء المحسن بخاری رحمتہ اللہ علیہ کی دینی و جماعتی خدمات کے حوالے سے نماز جمعۃ المبارک سے قبل خطاب کیا،بعد نماز عصر مسجد احرار ماڈل ٹاؤن میں کارکنوں اور روزنامہ اسلام کے بیورو چیف چودھری عبدالرشید وڑائچ سے ملاقات کی ،اُسی روز بعد نماز مغرب قمر مسجد کالج روڈ گوجرانوالہ میں خطاب کیا، بعدازاں احرار کارکنوں کے تربیتی اجتماع سے خطاب کیا۔رانا قمر الاسلام،حافظ محمد سلیم شاہ اور قاری محمد سلیم بھی ان کے ہمراہ تھے، 30/نومبر اتوار کو بعد نماز عشاء دارِ بنی ھاشم ملتان میں مرکزی مجلس عاملہ کا اجلاس حضرت امیر مرکزیہ پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں دینی وقومی اور جماعتی امور زیر بحث آئے اور چناب نگر کی سالانہ ختم نبوت کانفرنس بارے صلاح مشورے بھی ہوئے،یکم دسمبر کو کمالیہ جماعت کے ناظم اور قدیم ومخلص اور باوفا ساتھی محمد طیب انتقال کر گئے ،سید محمد کفیل بخاری نے نماز جنازہ پڑھائی بعدازاں عبداللطیف خالد چیمہ اور سید محمد کفیل بخاری نے اہلسنت والجماعت پاکستان کے سرپرست مولانا محمد احمد لدھیانوی سے ان کی رھائش گاہ پر ملاقات کی اور اُن کے داماد مولانا طارق سلیم کے انتقال پر تعزیت کا اظہار کیا،2/ دسمبر منگل کو عبداللطیف خالد چیمہ نے مسجد فاروق اعظم ساہیوال میں نماز مغرب کے بعد مولانا زاہد الراشدی کے ساتھ خطاب کیا، 5/دسمبر کو عبداللطیف خالد چیمہ نے 11 بجے دن قاری محمد یوسف احرار،قاری محمد قاسم (لاہور)،محمد قاسم چیمہ اور حافظ محمد سلیم شاہ کے ہمراہ لاہور میں جماعۃ الدعوۃ کے اجتماع میں شرکت اور حافظ محمد سعید،مولانا امیر حمزہ،قاری محمد یعقوب شیخ اور دیگر رہنماؤں سے ملاقات کی جبکہ شام 4 بجے مسجد شہداء (ریگل) لاہور میں ڈاکٹر خالد محمود سومرو کی شہادت کے حوالے سے جمعیت علماء اسلام کے احتجاجی مظاہرے میں شرکت کی۔میاں محمد اویس اور دیگر ساتھی بھی ہمراہ تھے،بعد نماز مغرب انہوں نے میاں محمد اویس کی رھائش گاہ پر خواجہ خلیل احمد (خانقاہ سراجیہ) کے اعزاز میں ضیافت میں بھی شرکت کی اور حضرت خواجہ صاحب سے مختلف امور پر تبادلہ خیال کیا۔7/دسمبر کو دفتر مرکزیہ لاہور میں چناب نگر ختمِ نبوت کانفرنس کے انتظامات کے حوالے سے مرکزی سطح کا ایک اجلاس

سید محمد کفیل بخاری کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں میاں محمد اویس، مولانا محمد مغیرہ، حافظ عابد مسعود ڈوگر، مولانا تنویر الحسن، سید عطاء المنان بخاری، مولانا فیصل متین، مولانا محمد اکمل، مولانا پیر محمد ابوذر، حافظ ضیاء اللہ، محمد قاسم چیمہ اور دیگر شریک ہوئے، اسی روز بعد نماز مغرب حضرت قائد احرار پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری نے درس قرآن کریم دیا، قبل ازیں سید محمد کفیل بخاری نے الحمراء ہال لاہور میں مولانا شمس الرحمٰن معاویہ کی یاد میں سیمینار سے خطاب کیا۔ 13 ؍دسمبر کو ورلڈ اسلامک فورم کے چیئرمین مولانا محمد عیسیٰ منصوری نے مسجد ختم نبوت دارِ بنی ھاشم ملتان میں خطاب کیا۔ 14 ؍دسمبر کو مولانا محمد عیسیٰ منصوری نے چیچہ وطنی میں احرار تھنکر زفورم کے استقبالیہ میں خطاب کیا اور لاہور روانہ ہوگئے، 17 ؍دسمبر کو سانحۂ پشاور کے حوالے سے چیچہ وطنی میں ہونے والے احتجاج اور ہڑتال میں احرار کارکنوں نے بھرپور شرکت کی۔ 19 ؍دسمبر کو دفتر احرار چیچہ وطنی میں سانحۂ پشاور کے حوالے سے احتجاجی اجلاس ہوا اور شہداء کی ارواح کو ایصال ثواب کیا گیا۔ 28، 29 ؍دسمبر کو ملک بھر میں ''یوم تاسیس احرار'' کے سلسلہ میں تقریبات کا انعقاد ہوا۔ اکثر رہنما، کارکن اور دفتری حضرات 12 ؍ربیع الاوّل کو چناب نگر میں منعقد ہونے والے سالانہ ختم نبوت کانفرنس کے سلسلہ میں پورا مہینہ مصروف کار رہے، بیشتر رہنما اور انتظامی کمیٹیوں کے ارکان ان شاء اللہ تعالیٰ اپنے اپنے شیڈول کے مطابق کانفرنس سے کئی روز پہلے چناب نگر پہنچ جائیں گے۔ تمام ساتھی کانفرنس کی بخیر وخوبی کامیابی کے لیے دعاؤں کا اہتمام کریں۔

(ملتان، 14 ؍دسمبر 2014ء) برطانیہ سے آئے ہوئے ورلڈ اسلامک فورم کے چیئرمین، معروف عالمِ دین اور اسلامی دانش ور مولانا محمد عیسیٰ منصوری نے کہا ہے کہ قرآنی نظریۂ حیات کے بالآخر غالب آنے کا فیصلہ ہو چکا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے اس لیے حتمی اور قطعی ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ اس وقت دنیا کی سب سے بڑی کشمکش اسلام اور مغرب کی کشمکش ہے۔ اور یہ لڑائی ایک مادّی قوت اور ایک سپر آئیڈیالوجی کی لڑائی ہے۔ اسلام ایک سپر آئیڈیالوجی اور ایک مستحکم نظریۂ حیات ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ قوت اور نظریے کی لڑائی میں قوت کبھی غالب نہیں آئی، ہمیشہ نظریے کو فتح ہوئی ہے۔ وہ مجلس احرار اسلام کے مرکزی دفتر، دارِ بنی ہاشم ملتان کی جامع مسجد ختم نبوت میں ''اسلام اور مغرب کی کشمکش کے چیلنجز اور علما کی ذمہ داریاں'' کے موضوع پر مجلس احرار اسلام کے امیر پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری کی زیرِ صدارت ایک علمی وفکری نشست سے خطاب کر رہے تھے۔

انھوں نے کہا کہ اسلامی تہذیب کو ختم کرنا اور مسلمانوں کو اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دور کرنا مغرب کا ایجنڈا ہے جس کو وہ اپنی مادی ترقی کے ذریعے ختم کرنا چاہتا ہے۔ حالانکہ اسلام قبول کرنے والوں کی سب سے زیادہ تعداد خود مغربی ممالک میں ہے۔ انھوں نے کہا کہ مسلمانوں کے پاس آسمانی اور الہامی تعلیمات ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری تعلیم اور عمل محفوظ ہے۔ دنیا کو چلانے کا مکمل لائحہ عمل صرف مسلمانوں کے پاس ہے اس لیے دنیا میں آخر کار اسلام ہی غالب آئے گا۔ انہوں نے کہا کہ مسلمانوں کا زوال، اسلام کا زوال نہیں، مغرب دھوکے میں ہے۔ مغربی دانشوروں نے کئی مواقع پر کہا کہ اسلام ختم ہوگیا لیکن اسلام ایک ابدی سچائی کے طور پر آج بھی زندہ ہے اور تا قیامت زندہ رہے گا۔ انھوں نے کہا کہ مغربی مادی ترقی سے استفادہ کرتے ہوئے مغرب کو شکست دینے کا خیال رکھنا بے وقوفی ہے۔ اہلِ اسلام مغرب کے ہتھیاروں سے کبھی مغرب کو نہیں ہرا سکتے۔ بلکہ اس جنگ میں مسلمانوں کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے مقدس صحابہ کے طریقوں کو ہی اختیار کرنا پڑے گا۔

مولانا عیسیٰ منصوری کا کہنا تھا کہ مسلمانوں کو کبھی نہیں فراموش کرنا چاہیے کہ ختم نبوّت کے صدقے میں دعوت الی اللہ کی ذمہ داری اُن کا سرمایۂ حیات اور اُن کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ جس کی بدولت وہ اپنے وجود کی حفاظت بھی کر سکتے ہیں اور اپنے دشمنوں سے چھٹکارا بھی حاصل کر سکتے ہیں۔

تقریب سے ماہنامہ ''نقیب ختم نبوت'' کے مدیر اور مجلس احرار اسلام کے نائب امیر مولانا سید محمد کفیل بخاری

نے بھی خطاب کیا اور استقبالی کلمات ادا کیے۔ نشست کے اختتام پر صاحب صدر پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری نے اختتامی کلمات ارشاد فرمائے اور دعا کرائی۔

لاہور (17 ؍دسمبر) مجلس احرارِ اسلام پاکستان کے امیر سید عطاء المہیمن بخاری، نائب امیر سید محمد کفیل بخاری اور سیکرٹری جنرل عبداللطیف خالد چیمہ نے کہا ہے کہ پشاور میں معصوم جانوں کے قاتل دنیا و آخرت میں رسوا ہوں گے، یہ سفاکی اور درندگی انسانیت کی نفی ہے کوئی مسلمان تو اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ مختلف مقامات پر اپنے احتجاجی خطابات و بیانات میں انہوں نے کہا کہ ضرورت اِس امر کی ہے کہ ہم اصل دشمن کو پہچانیں، مجلس احرارِ اسلام پاکستان اور تحریک تحفظ ختم نبوت کے رہنماؤں پروفیسر خالد شبیر احمد، میاں محمد اویس، قاری محمد یوسف احرار اور مولانا محمد مغیرہ نے اپنے بیانات میں کہا ہے کہ امریکہ، انڈیا، اسرائیل کے علاوہ ایک ہمسایہ ملک بھی پاکستان میں عدم استحکام کو بڑھا کر خاکم بدہن پاکستان کو صفحۂ ہستی سے مٹانا چاہتے ہیں، انہوں نے کہا کہ مذہبی طبقات کو موردِ الزام ٹھہرانا پاکستان کا نہیں عالم کفر کا ایجنڈا ہے اس لیے اصل دشمن کو پہچاننے کی ضرورت ہے۔

لاہور (17 ؍دسمبر) ورلڈ اسلامک فورم کے چیئرمین مولانا عیسیٰ منصوری (لندن) نے قاری محمد قاسم اور محمد قاسم چیمہ پر مشتمل مجلس احرارِ اسلام پاکستان کے دو رکنی وفد سے ملاقات میں کہا ہے کہ اس وقت عالم اسلام کو اپنے مسائل استعماری قوتوں کے سپرد کرنے کی بجائے خود حل کرنے پر غور کرنا چاہئے، انہوں نے کہا کہ مجلس احرارِ اسلام نے برصغیر سے انگریز سامراج کے انخلاء کے لیے جو مجاہدانہ کردار ادا کیا وہ ہماری قومی تاریخ کا سنہری باب ہے، انہوں نے کہا کہ تحفظ ختم نبوت کے محاذ پر احرار کی خدمات کو کلیدی حیثیت حاصل ہے، انہوں نے کہا کہ اب پھر اُسی پرانے ولولے کی ضرورت ہے جو اکابر احرار میں موجزن تھا، انہوں نے کہا کہ میرے فکری و نظریاتی رجحانات اگر کسی جماعت سے ملتے ہیں تو وہ جماعت احرار ہی ہے، انہوں نے کہا کہ میں مجلس احرار کی قیادت کو مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے اپنے بزرگوں کے کردار کو اُجاگر کیا ہے، مجھے اُمید ہے کہ آنے والے وقت میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لیے مجلس احرار حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری مرحوم کے فرزند سید عطاء المہیمن بخاری کی جرأت مندانہ قیادت میں اپنا ماضی دہرائے گی، انہوں نے کہا کہ مجلس احرارِ اسلام کے سیکرٹری جنرل عبداللطیف خالد چیمہ جب بھی برطانیہ آتے ہیں تو مختلف شہروں میں تحفظ ختم نبوت کا محاذ گرم ہوجاتا ہے اور ان کو وہاں کے ماحول کے مطابق اپنی مثبت سرگرمیاں جاری رکھنے کا ڈھنگ خوب آتا ہے۔

سید محمد کفیل بخاری (نائب امیر مجلس احرار اسلام پاکستان) کی تنظیمی و تبلیغی مصروفیات

(ملتان، رپورٹ لقمان منشاد) ۲۸ ؍نومبر ۲۰۱۴ء انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ خیبر پختونخواہ کے صدر محترم شکیل اختر کی دعوت پر ڈیرہ اسماعیل خان میں اجتماعِ جمعہ سے خطاب اور بعد نمازِ جمعہ ختم نبوت کورس کے اختتام پر شرکاء سے خطاب۔ ۱۱ ؍دسمبر بعد نماز عشاء مولانا نذیر احمد (استاد، دارالعلوم کبیر والہ) کی دعوت پر سالانہ ختم نبوت کانفرنس، مسجد نورالاسلام حسین آباد میں خطاب۔ ۱۶ ؍دسمبر ضلع بہاولپور اور ضلع رحیم یار خان کا تنظیمی دورہ بسلسلہ ختم نبوت کانفرنس ۱۲ ؍ربیع الاول چناب نگر۔ بہاولپور، خانپور، رحیم یار خان اور صادق آباد کے احرار کارکنوں سے ملاقاتیں تقسیم اشتہارات اور دعوت شرکت کانفرنس۔ دین پور شریف میں حاضرت، حضرت میاں مسعود احمد دامت برکاتہم سے ملاقات و تعزیت حضرت مولانا سراج احمد دین پوری رحمۃ اللہ علیہ۔ ۱۷ ؍دسمبر جناب عبدالمنان معاویہ کی دعوت پر الہ آباد تحصیل لیاقت پور میں سیرت کانفرنس سے خطاب۔ ۱۹ ؍دسمبر خطبۂ جمعہ دارِ بنی ہاشم ملتان، مذمت سانحۂ پشاور۔ بعد نماز عشاء درس ختم نبوت مسجد نورالاسلام ملتان، بہ سلسلہ دعوت شرکت ختم نبوت کانفرنس چناب نگر۔ ۲۸ ؍دسمبر شرکت و خطاب تقریب یوم تاسیس احرار و پرچم کشائی ایوانِ احرار لاہور۔

دروس بہ سلسلہ دعوت شرکت ختم نبوت کانفرنس ۱۲ ربیع الاول چناب نگر:

مجلس احرار اسلام ملتان کے زیر اہتمام سالانہ ختم نبوت کانفرنس چناب نگر کی دعوت کے سلسلہ میں شہر میں مختلف مقامات پر دروس ختم نبوت کا اہتمام کیا گیا۔ ۱۲ دسمبر جمعۃ المبارک اجتماع سے مسجد نور، جامع مسجد کرنالوی میں سید عطاء المنان بخاری نے بیان کیا۔ ۱۹ دسمبر جمعۃ المبارک کے اجتماعات سے جامع مسجد ابوبکر صدیق میں مفتی سید صبیح الحسن ہمدانی، جامع مسجد کرنالوی میں مولانا محمد اکمل، اور جامع مسجد زینت الاسلام میں مفتی نجم الحق نے خطاب کیا۔ ۲۱ دسمبر بعد از ظہر بستی گرے والہ میں مفتی صبیح الحسن نے خطاب کیا۔ ۲۹ دسمبر اجتماعات جمعۃ المبارک سے جامع مسجد الخلیل میں مولانا محمد اکمل، جامع مسجد گل شاہ عثمانی میں مفتی نجم الحق، جامع مسجد طالب دین والی میں مفتی سید صبیح الحسن ہمدانی، جامع مسجد ابوہریرہ میں سید عطاء المنان بخاری نے خطاب کیا۔

(ملتان، ۲۹ دسمبر) ''یوم تاسیس احرار'' کے موقع پر مرکزی تقریب مجلس احرار اسلام پاکستان کے مرکزی دفتر دارِ بنی ہاشم ملتان میں منعقد ہوئی جس سے قائد احرار حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ آج مجلس احرار اسلام کو قائم ہوئے پچاسی برس پورے ہو رہے ہیں۔ احرار کو اپنی دینی و سیاسی خدمات پر فخر ہے۔ ہم تجدیدِ عزم کرتے ہیں کہ یہ پرچم کبھی خم نہیں ہوگا اور احرار، تحفظِ ختم نبوت کے محاذ پر دادِ شجاعت دیتے رہیں گے۔

ادارہ

مسافران آخرت

● حاجی محمد رمضان رحمہ اللہ: مجلس احرارِ اسلام جھنگ کے ناظم نشر و اشاعت جناب محمد انور مُغل کے والد ماجد حاجی محمد رمضان مغل ۲۰ نومبر ۲۰۱۴ء بروز جمعرات انتقال فرما گئے۔

● محمد طیب رحمہ اللہ: مجلس احرار اسلام کمالیہ (ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ) یکم دسمبر ۲۰۱۴ء کو انتقال کر گئے۔

● شیخ نثار احمد رحمہ اللہ: مجلس احرارِ اسلام کے قدیم کارکن اور سٹینڈرڈ بیکری ملتان کے شیخ نیاز احمد، اعجاز احمد کے چچا، بھائی آفتاب احمد، محمد محسن کے والد شیخ نثار احمد ۱۰ دسمبر ۲۰۱۴ء بروز بدھ لاہور میں انتقال کر گئے۔

● والد مرحوم مولانا محمد اسمٰعیل شجاع آبادی: عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی رہنما مولانا محمد اسمٰعیل شجاع آبادی کے والد ماجد اور مولانا ثناء اللہ شجاع آبادی کے دادا میاں عبدالخالق رحمۃ اللہ علیہ ۱۹ دسمبر ۲۰۱۲ء جمعۃ المبارک کو شجاع آباد میں انتقال فرما گئے۔

● **اہلیہ مرحومہ، مولانا ریاض الحق قاروق رحمہ اللہ:** ہمارے مرحوم دوست مولانا میاں ریاض الحق قاروق (سنی پبلی کیشنز، لاہور) کی اہلیہ اور عزیزم حافظ محمد سعد کی والدہ گزشتہ ماہ شیخوپورہ میں انتقال کر گئیں۔

● مدرسہ معمورہ کے معاون جناب شوکت علی کی اہلیہ ۵ دسمبر ۲۰۱۴ء کو ملتان میں انتقال کر گئیں۔

● مجلس احرار اسلام اوکاڑہ کے جنرل سیکرٹری شیخ مظہر سعید کے سسر شیخ رحمت علی مرحوم ۱۱ دسمبر ۲۰۱۴ء کو لاہور میں انتقال کر گئے۔

● حافظ محمد اشرف (چیچہ وطنی) کے بڑے بھائی حکیم غلام حسین مرحوم ۱۲/۲۰۱۴ء دسمبر کو انتقال کر گئے۔

● ماہنامہ نقیب ختم نبوت کے سرکولیشن منیجر محمد یوسف شاد کے دوست حاجی محمد اجمل نائچ کی والدہ صاحبہ انتقال ۲۵ دسمبر

● مجلس احرار اسلام اوکاڑہ کے صدر جناب شیخ مظہر سعید کے سسر شیخ رحمت علی مرحوم ۱۱ دسمبر ۲۰۱۴ء کو لاہور میں انتقال کر گئے۔

قارئین سے درخواست ہے کہ مرحومین کے لیے ایصال ثواب اور دعاءِ مغفرت کا خصوصی اہتمام فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ سب کی مغفرت فرمائیں اور لواحقین کو صبر جمیل عطاء فرمائے (آمین)

نزلہ، زکام، کھانسی سے پریشان؟

سُعالین اور صُدوری مؤثر حل، فوری آرام

آیئے! اللہ تعالیٰ سے دعا کے ساتھ سود اور سودی قرض کے خلاف جنگ کا آغاز کریں!

ادائیگی قرض کی دعائیں

۱) .....حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک غلام نے عرض کیا میں اپنے آقا کو رقم ادا کر کے جلدی آزادی چاہتا ہوں۔ آپ میری مدد فرمائیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں تجھے دو کلمے سکھلا دیتا ہوں جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھلائے تھے۔ اگر تجھ پر پہاڑ کے برابر بھی قرض ہوگا اللہ تعالیٰ ادا کر دے گا۔ وہ کلمات یہ ہیں:

اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَ اَغْنِنِیْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ۔

''الٰہی! حاجتیں پوری کر میری حلال روزی سے اور بچا حرام سے اور بے پروا کر دے مجھ کو اپنے فضل کے ساتھ اپنے ماسوا سے۔'' (مشکوٰۃ باب الدعوات فی الاوقات فصل دوم)

۲).....حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص مقروض ہو گیا تھا۔ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں وہ کلام سکھلا دیتا ہوں کہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ تیرا غم دور اور قرض ادا کر دے گا، صبح و شام یہ دعا پڑھا کرو:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْھَمِّ وَالْحُزْنِ وَ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسْلِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَالْجُبْنِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّیْنِ وَقَھْرِ الرِّجَالِ۔

''اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں فکر و غم سے اور آپ کی پناہ چاہتا ہوں ناتوانی اور سستی سے اور بچاؤ چاہتا ہوں آپکے ساتھ بخل اور بزدلی سے اور پناہ میں آتا ہوں آپ کی قرض کے غلبے اور لوگوں کے سخت دباؤ سے۔'' (مشکوٰۃ باب الدعوات فی الاوقات فصل دوم)

مرتب: مولانا محمد امین معلم اسلامیات Tel:041-8814908

دعاؤں کے طالب

CARE کیئر فارمیسی PHARMACY

Trusted Medicine Super Stores

Head Office: Canal View, Lahore

اَلْحَمْدُلِلّٰہ! فیصل آباد میں 9 برانچز آپ کی خدمت کیلئے 24 گھنٹے کھلی ہیں۔